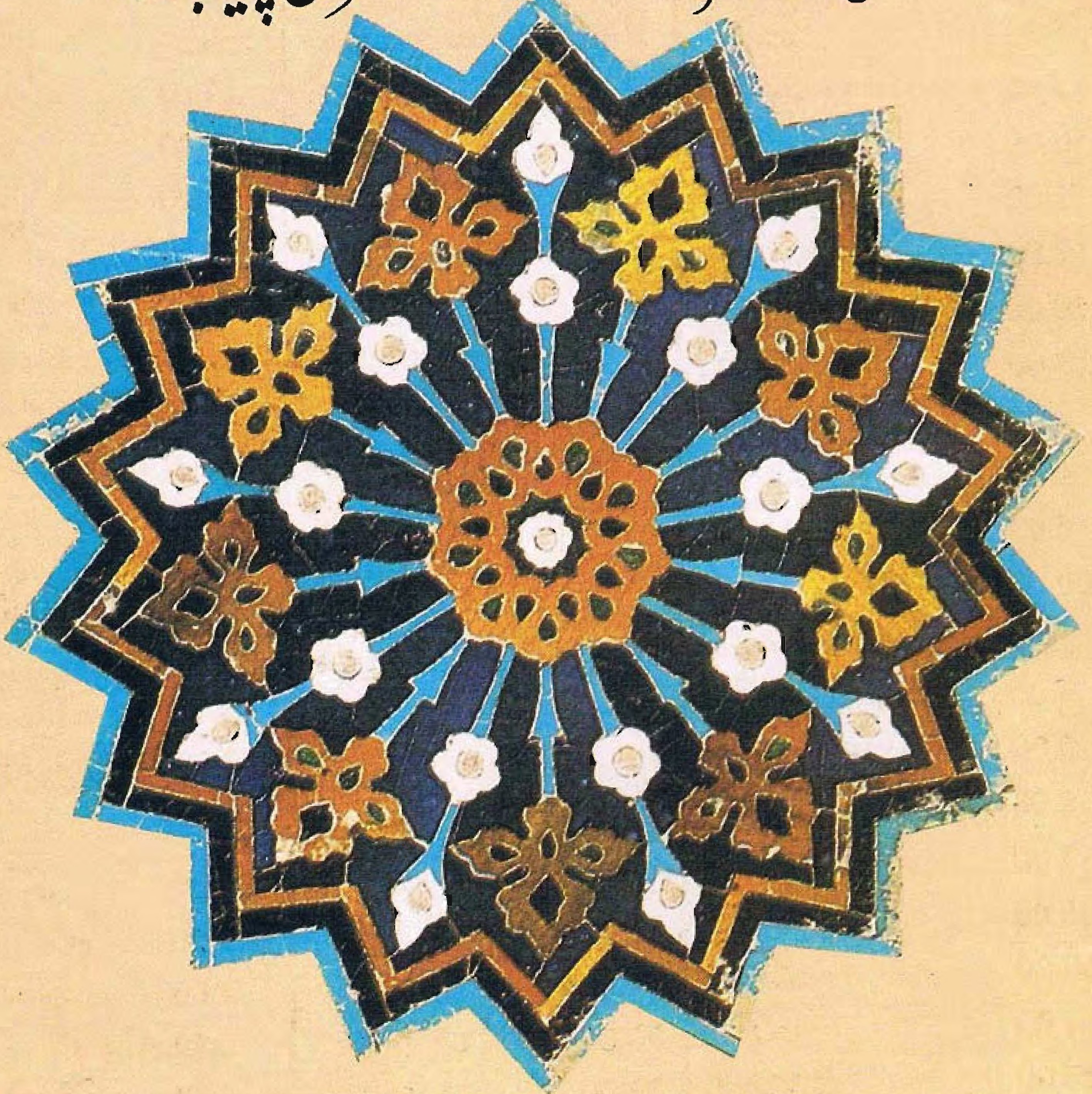
الرسالہ
Al-Risāla

December 1999 • No. 277 • Rs. 9

کسی قوم کی ترقی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ
اس کے افراد کے اندر ماننے کا مزاج پایا جاتا ہو۔



عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

کتاب	قیمت
تذکیر القرآن (مکمل)	400.00
اسلام: ایک تعارف	80.00
اللہ اکبر	45.00
پیغمبر انقلاب	50.00
مذہب اور جدید چیلنج	55.00
عظمت قرآن	35.00
عظمت اسلام	50.00
عظمت صحابہ	7.00
دین کامل	60.00
الاسلام	45.00
ظہور اسلام	50.00
اسلامی زندگی	40.00
احیاء اسلام	35.00
راز حیات	65.00
صراط مستقیم	40.00
خاتون اسلام	60.00
سوشلزم اور اسلام	50.00
اسلام اور عصر حاضر	30.00
الربانیہ	40.00
کاروانِ ملت	45.00
حقیقت حج	30.00
اسلامی تعلیمات	35.00
اسلام دور جدید کا خالق	25.00
حدیث رسول	40.00
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار)	85.00
راہ عمل	25.00
تعبیر کی غلطی	80.00
دین کی سیاسی تعبیر	20.00
عظمت مومن	7.00
اسلام ایک عظیم جدوجہد	5.00
تاریخ دعوت حق	5.00

کتاب	قیمت
مطالعہ سیرت (کتابچہ)	12.00
ڈائری (جلد اول)	80.00
کتاب زندگی	65.00
اقوال حکمت	25.00
تعمیر کی طرف	8.00
تبلیغی تحریک	20.00
تجدید دین	25.00
عقلیات اسلام	35.00
قرآن کا مطلوب انسان	8.00
دین کیا ہے؟	7.00
اسلام دین فطرت	7.00
تعمیر ملت	7.00
تاریخ کا سبق	7.00
فسادات کا مسئلہ	5.00
انسان اپنے آپ کو پہچان	5.00
تعارف اسلام	5.00
اسلام پندرہویں صدی میں	5.00
راہیں بند نہیں	12.00
ایمانی طاقت	7.00
اتحاد ملت	7.00
سبق آموز واقعات	7.00
زلزلہ قیامت	10.00
حقیقت کی تلاش	8.00
پیغمبر اسلام	5.00
آخری سفر	7.00
اسلامی دعوت	7.00
حل یہاں ہے	10.00
سچا راستہ	8.00
دینی تعلیم	7.00
امہات المومنین	20.00
تصویر ملت	85.00

کتاب	قیمت
دعوت اسلام	50.00
دعوت حق	40.00
نشری تقریریں	80.00
دین انسانیت	60.00
فکر اسلامی	50.00
شتم رسول کا مسئلہ	50.00
طلاق اسلام میں	5.00
مضامین اسلام	60.00
حیات طیبہ	7.00
باغ جنت	7.00
نار جہنم	7.00
خلیج ڈائری	10.00
رہنمائے حیات	7.00
تعدد ازواج	7.00
ہندستانی مسلمان	50.00
روشن مستقبل	7.00
صوم رمضان	7.00
اسلام کا تعارف	4.00
علما اور دور جدید	8.00
سفرنامہ اسپین و فلسطین	60.00
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	12.00
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	8.00
یکساں سول کوڈ	5.00
اسلام کیا ہے؟	8.00
میوات کا سفر	35.00
قیادت نامہ	35.00
مطالعہ سیرت	60.00
منزل کی طرف	4.00
اسباق تاریخ	85.00

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

Al-Risāla

اردو، اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla

1, Nizamuddin West Market,
New Delhi-110013
Tel. 4625454, 4611128
Fax 4697333, 4647980
e-mail: skhan@ vsnl.com
website: www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES

Single copy Rs. 9
One year Rs. 100. Two years Rs. 195
Three years Rs. 290. Five years Rs. 480
Abroad: One year $ 10/£6 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY

IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info@ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY

AL-RISALA FORUM INTERNATIONAL
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel./Fax 718-2583435
e-mail: kaleem@alrisala.org

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of The Islamic Centre, New Delhi. Printed at Nice Printing Press, Delhi.

دسمبر 1999 شمارہ 277

روزہ کی حقیقت

مسند احمد اور الترمذی میں یہ روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے یہ پیشکش کی کہ وہ میرے لئے مکہ کی وادی کو سونا بنادے۔ میں نے کہا کہ نہیں اے میرے رب، بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ پس جب میں بھوکا رہوں تو میں تجھ سے تضرع کروں اور تجھ کو یاد کروں اور جب میں شکم سیر ہوں تو میں تیری حمد کروں اور تیرا شکر کروں (عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکة ذھباً، فقلت : لا یا رب! ولکن أشبع یوماً و اجوع یوماً، فاذا جعت تضرعت الیک و ذکرتک، وإذا شبعتُ حمدتک وشکرتک) مشکاۃ المصابیح ۲/۴۳۳

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احوال کے بغیر کیفیات پیدا نہیں ہوتیں۔ بھوک آدمی کے اندر عجز کی کیفیت ابھارتی ہے اور اس کو خدا کی یاد کرنے والا بناتی ہے۔ اس کے بعد جب آدمی کو سیری حاصل ہوتی ہے تو وہ اس کے اندر شکر کے جذبات کو بیدار کرتی ہے اور اس کو حمد خداوندی میں مشغول کر دیتی ہے۔

یہی روزہ کا اصل مقصد ہے۔ روزہ ایک سالانہ تربیتی کورس ہے جس کے ذریعہ آدمی کے اوپر بھوک کے احوال پیدا کئے جاتے ہیں، تاکہ اس کے اندر عجز اور تضرع اور انابت کی کیفیات ابھریں، وہ اللہ کو یاد کرنے والا بن جائے۔

روزہ میں دن کے وقت آدمی کو بھوک کا تجربہ کرلیا جاتا ہے۔ اس کے بعد رات کو اسے اس تجربہ سے گذارا جاتا ہے کہ وہ شکم سیر ہو کر کھائے اور پئے، تاکہ اس کے اندر شکر کے جذبات بیدار ہوں اور اس کا سینہ حمد خداوندی سے معمور ہو جائے۔

تضرع اور شکر دو انتہائی مطلوب دینی کیفیات ہیں۔ رمضان کے روزے کا مقصد یہ ہے کہ دن کی بھوک اور رات کی شکم سیری کے ذریعہ یہ دونوں مطلوب کیفیات آدمی کے اندر پیدا کی جائیں۔

عقیدہ کی طاقت

مسٹر یوسف خان (نئی دہلی) اگست ۱۹۹۰ میں امریکہ (نیو جرسی) میں تھے۔ وہاں کی ٹی وی کمپنی سی این این (C. N. N.) پر ۲۴ گھنٹہ دنیا بھر کی خبریں نشر ہوتی رہتی ہیں۔ مسٹر یوسف خان نے اکتوبر ۱۹۹۰ کی ملاقات میں بتایا کہ ایک روز وہاں ٹی وی پر فوجی پروگرام تھا۔ خلیج میں جانے والے امریکی فوجیوں کا انٹرویو دکھایا جارہا تھا۔

ٹی وی کا عملہ اپنے پورے سامان کے ساتھ بندرگاہ پر اور ایرپورٹ پر پہنچا اور سمندری جہاز یا ہوائی جہاز سے خلیج کے لئے روانہ ہونے والے امریکی فوجیوں کا انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو آوازوں اور تصویروں کے ساتھ ٹی وی پر دکھایا گیا۔ ٹی وی کے عملہ اور فوجیوں کے درمیان جو باتیں ہوئیں ان میں سے ایک سوال وجواب یہ تھا:

Q. How do you feel going to Middle East?

A. When Muslims fight and die, they believe they go to heaven, but we don't have any such belief. I am scared.

سوال: مشرق اوسط میں جاتے ہوئے آپ کیسا محسوس کرتے ہیں۔

جواب: مسلمان جب لڑتے ہیں اور میدان جنگ میں مرتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے۔ مگر ہمارے پاس اس قسم کا کوئی عقیدہ نہیں۔ میں خوف زدہ ہوں۔

یہی بات قرآن (النساء ۱۰۴) میں کہی گئی ہے۔ تاہم اس کا تعلق صرف جنگ سے نہیں بلکہ ہر قسم کی جدوجہد سے ہے۔ غیر جنگی مقاصد میں بھی اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے کہ لوگوں میں بلند ہمتی ہو۔ وہ خطرہ مول لے کر آگے بڑھ سکیں۔ نتیجہ کے غیر یقینی ہونے کے باوجود وہ آگے بڑھنے کا ثبوت دے سکیں۔ ایسے پر امن موقع پر بھی اسلام کا عقیدہ انتہائی مددگار ہے۔ وہ آدمی کے اندر اولوالعزمی کی صفت پیدا کرتا ہے، اور جن لوگوں کے اندر اولوالعزمی ہو ان کے راستے میں نہ کوئی سمندر حائل ہوتا ہے اور نہ کوئی پہاڑ۔

تفقہ فی الدین

اسلام میں تفقہ فی الدین کی بے حد اہمیت ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر فرض کفایہ کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ اگر امت کے تمام لوگ نہیں تو کچھ لوگوں کو ایسا کرنا چاہئے کہ وہ اپنے اندر اعلیٰ درجہ میں تفقہ فی الدین کی صلاحیت پیدا کریں (التوبہ ۱۲۲)

حدیث سے بھی اس کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت معاویہ بن سفیان کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: **من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین** (فتح الباری ۱۳/ ۳۰۶) یعنی اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو وہ تفقہ فی الدین عطا کر دیتا ہے۔

تفقہ کے معنی فہم وبصیرت کے ہیں۔ یہاں تفقہ کا لفظ معروف فقہی معنی میں نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ میں فقہ کا لفظ بولا جائے تو اس کا مطلب ان احکام ومسائل کو جاننا ہوتا ہے جن کو فقہاء اسلام نے بعد کے زمانہ میں مرتب کیا۔ مگر مذکورہ آیت یا حدیث میں تفقہ کا لفظ اس مفہوم میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ بلکہ وہ اصولی اور اساسی دین میں گہری فہم وبصیرت کے لئے آیا ہے۔

اس اعتبار سے، تفقہ کا مطلب معروف نوعیت کا مقلدانہ علم نہیں ہے۔ بلکہ وہ سراسر ایک مجتہدانہ علم ہے۔ تفقہ فی الدین کا مطلب سطور سے گذر کر بین السطور کو پڑھ لینا ہے۔ الفاظ سے نکلنے والے سادہ مفہوم سے گذر کر اس کی چھپی ہوئی معنویت کو دریافت کرنا ہے۔ فنی اور ظاہری تفصیلات سے آگے بڑھ کر معنویت کے سمندر میں داخل ہو جانا ہے۔

تفقہ فی الدین بلاشبہہ ایک مومن کے لئے خیر اعلیٰ کا درجہ رکھتا ہے۔ جس آدمی کے اندر تفقہ کی صلاحیت پیدا ہو جائے اس کا ایمان اس کے اندر ربانی شخصیت کی تشکیل کرنے لگتا ہے۔ وہ حقیقتوں کو براہ راست دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ واقعات ومعاملات کو ان کی صحیح روشنی میں دیکھنے لگتا ہے۔ خواہ اپنی ذات کا معاملہ ہو یا دوسروں کا معاملہ، وہ صحیح ترین رائے تک پہنچنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
خصلتان لاتجتمعان فی منافق حسن سمت ولا فقه فی الدین (الترمذی بحوالہ مشکاۃ المصابیح ۱/۷۶) دو صفتیں ایسی ہیں جو کسی منافق میں جمع نہیں ہوتیں ـــــ خوش خلقی اور تفقہ فی الدین۔

منافقت کے ساتھ تفقہ فی الدین کیوں جمع نہیں ہوتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ منافق ایک غیر سنجیدہ انسان ہوتا ہے، اور غیر سنجیدہ ذہن اس قابل ہی نہیں ہوتا کہ وہ گہری حقیقتوں کو سمجھے یا ان کا ادراک کر سکے۔ گہری بصیرت کے لئے سنجیدگی (sincerity) ایک لازمی شرط ہے۔ منافقت کے ساتھ سنجیدگی کبھی جمع نہیں ہوتی۔ اس لئے منافق انسان کبھی تفقہ فی الدین کی لذت سے آشنا بھی نہیں ہوتا۔

تفقہ فی الدین کا درجہ اس کے حصہ میں آتا ہے جو اپنے ذہن کو دوسری غیر متعلق چیزوں سے ہٹا کر صرف دین کو اپنے غور و فکر کا موضوع بنائے۔ یہ ذہنی یکسوئی (concentration) ہی تفقہ فی الدین کا دروازہ ہے۔ جو لوگ ذہنی یکسوئی کی یہ قیمت ادا نہ کریں وہ کبھی اس خیر کو نہیں پا سکتے جس کو قرآن و حدیث میں تفقہ فی الدین کہا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فقیه واحد اشد علی شیطان من الف عابد** (الترمذی، ابن ماجہ، بحوالہ مشکاۃ المصابیح ۱/۷۳) یعنی ایک فقیہ شیطان کے اوپر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔

غیر فقیہ صرف چیزوں کے ظاہر کو دیکھتا ہے۔ اس کے برعکس فقیہ کی نظر چیزوں کی اصل حقیقت تک پہنچ جاتی ہے۔ غیر فقیہ چیزوں کے فرق کو نہیں سمجھتا جب کہ فقیہ ایک چیز اور دوسری چیز کے فرق کو جان لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر فقیہ نہایت آسانی سے شیطان کی تزئین کا شکار ہو جاتا ہے۔ جب کہ فقیہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ شیطانی تزئین کا پردہ پھاڑ کر حقیقت کو اس کے برہنہ روپ میں دیکھ سکے۔ اور اس طرح اس کی گمراہی سے بچ جائے۔

مذہب کی حقیقت

انڈونیشیا (جکارتا) میں ایک ادارہ قائم ہے۔ اس کا مقصد مذاہب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔ اس ادارہ کے ایک شعبہ کا نام اسکول آف ہائر اویرنس (School of Higher Awareness) ہے۔ اس ادارہ کا پورا نام وپتہ یہ ہے:

Anand Ashram, Jl. Sunter Mas Barat 11-E, Block H-10 /1, Jakarta- 14350
Tel. (021) 650-8648, (0818) 701658, Fax (021) 650-3459, e-mail: ashram@indo.net-id, Homepage: http//members.tripod.com/ anandashram

اس ادارہ کی طرف سے ایک درجن انڈونیشی مرد وعورت کا وفد ہندستان آیا۔ یہ لوگ مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔ اس وفد کے قائد مسٹر آنند کرشنا تھے وہ انڈونیشی زبان کے ایک معروف رائٹر ہیں۔ یہ پورا وفد ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۹ کو اسلامی مرکز (دہلی) میں آیا۔ راقم الحروف سے سوال وجواب کی صورت میں ایک گھنٹہ سے زیادہ دیر تک ان لوگوں سے گفتگو ہوئی۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اسلام اور دیگر مذاہب سے تھا۔

ایک خاتون نے بتایا کہ ان کی ماں مسلمان تھیں اور ان کے والد ہندو تھے۔ خود انھوں نے ایک کرسچین سے شادی کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں اپنے کو مسلمان سمجھتی ہوں مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ میں مندر جاتی ہوں تو میں وہاں کے لحاظ سے پوجا کر لیتی ہوں۔ جب میں چرچ میں جاتی ہوں تو میں وہاں کی عبادت میں شریک ہو جاتی ہوں۔ اور جب میں مسجد میں جاتی ہوں تو میں مسلمانوں کی طرح نماز پڑھ لیتی ہوں۔ میرا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں۔

پھر میں نے اس کی تفصیل کرتے ہوئے کہا کہ اس قسم کا مذہب، اپنی حقیقت کے اعتبار سے، کوئی مذہب نہیں۔ وہ صرف ایک قسم کا سماجی رکھ رکھاو یا سماجی توافق ہے:

It is not a religion. It is a kind of social adjustment.

مذہب کیا ہے۔ مذہب ایک سچائی ہے۔ سچائی خود اپنی نیچر کے لحاظ سے وحدت چاہتی

ہے۔ جب آدمی ایک چیز کو سچائی کے طور پر دریافت کرتا ہے تو وہ اس کے لئے ایک یقین کی دریافت کے ہم معنی ہوتی ہے۔ وہ اس پُراعتماد جذبہ سے سرشار ہوتا ہے کہ میں نے حقیقت اعلیٰ کو پالیا ہے۔ میں نے زندگی کے جنگل میں اس واحد راستہ کو معلوم کر لیا ہے جو مجھے منزل مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

مذکورہ قسم کا مذہب کسی آدمی کو عین اس قیمتی چیز سے محروم کر دیتا ہے جو مذہبی سچائی کا اصل مقصود ہے، یعنی اعتماد و یقین۔ اس دنیا میں انسان کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ یہ جانے کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے۔ وہ انسان اور کائنات کے بارہ میں ایک واضح اور غیر مبہم تصور رکھتا ہو۔ وہ اس یقین پر کھڑا ہوا ہو کہ اس نے زندگی کے گہرے رازوں کو دریافت کر لیا ہے۔ سچا مذہب حقیقۃً اسی دریافت کا نام ہے۔

اگر آپ ایک لمبے سفر پر جارہے ہوں تو آپ کو اپنی منزل کا واضح اور متعین شعور ہونا چاہئے۔ اس یقینی شعور کے بغیر جو آدمی سفر پر روانہ ہو جائے وہ صحیح معنی میں ایک مسافر نہ ہوگا بلکہ ایک بھٹکا ہوا انسان ہوگا۔ اس کے سفر کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ کوئی اختتام۔ اس قسم کا سفر مختلف وادیوں میں بھٹکنا ہے نہ کہ حقیقۃً سفر طے کرنا۔ یہی معاملہ مذہب کا ہے۔ حقیقی مذہب وہ ہے جو آدمی کے لئے سچائی کی دریافت بن جائے۔ جو آدمی کو وہ فکری سرمایہ دے سکے جس کو اعتماد کہا جاتا ہے۔ ہر آدمی فطری طور پر اس کا ضرورت مند ہے کہ وہ ایک ایسی صداقت کو پائے جس پر وہ یقین کر سکے۔ مذہب آدمی کی اسی طلب کا جواب ہے۔ آدمی کا یہ احساس کہ اس نے سچے مذہب کو پالیا ہے، اس کو لازوال یقین کی دولت عطا کرتا ہے۔ ”ہر مذہب سچا ہے“ کا تصور خود مذہب کی نفی ہے۔ ایسا تصورِ مذہب آدمی کے لئے کبھی مطلوب یقین کا سرچشمہ نہیں بن سکتا۔

جہاں تک سماجی ہم آہنگی کا تعلق ہے، اس کے حصول کا ذریعہ یہ نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہر مذہب سچا ہے۔ سماجی ہم آہنگی کے حصول کا ذریعہ یہ ماننا ہے کہ ہر انسان قابل احترام ہے۔ سماجی ہم آہنگی کی بنیاد احترام انسانی کے تصور پر قائم ہوتی ہے نہ کہ وحدت مذاہب کے تصور پر۔

تبلیغ کیا ہے

جناب ابو البرکات علوی (۷۵ سال) نظام پور ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں۔ ۲۱ اگست ۱۹۹۹ کو ان سے دہلی میں ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے گاؤں کے قریب مخدوم پور کی بستی ہے۔ یہاں ایک مسلمان نھو صاحب (تقریباً ۴۰ سال) رہتے ہیں۔ ان کو شراب کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ اکثر نشہ میں رہتے تھے۔ گھر والے ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔

چند سال پہلے کی بات ہے، تبلیغی جماعت کے کچھ لوگ مخدوم پور آئے۔ وہ گشت کرتے ہوئے نھو صاحب کے گھر پہنچے۔ ان سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ جماعت میں چلیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں تو ایک شرابی آدمی ہوں۔ دیکھو اس وقت بھی میری جیب میں ایک پنی ہے۔ تبلیغی جماعت والوں نے اصرار کیا تو انھوں نے جیب سے پنی نکالی اور ساری شراب پی گئے۔ اس کے بعد وہ مدہوش ہو کر چارپائی پر لیٹ گئے۔ اب تبلیغ والے چارپائی کے چاروں طرف بیٹھ کر ان کے لئے دعا کرنے لگے۔

کئی گھنٹہ کے بعد انھیں ہوش آیا تو انھوں نے دیکھا کہ تبلیغ والے ان کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے ہیں۔ نھو صاحب نے پوچھا کہ آپ لوگ ابھی تک یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ تبلیغ والوں نے کہا کہ ہاں، جب آپ مدہوش ہو گئے تو ہم لوگ آپ کے لئے دعا کرنے لگے۔ اس واقعہ کا نھو صاحب پر بہت اثر ہوا۔ انھوں نے کہا کہ اچھا میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ اس کے بعد وہ گھر کے اندر گئے۔ اپنے بچوں سے کہا کہ غسل خانہ میں پانی رکھو۔ مجھ کو نہانا ہے اور کپڑے بدل کر تبلیغ والوں کے ساتھ جماعت میں جانا ہے۔ گھر والوں نے اس کو مذاق سمجھا۔ انھوں نے کہا کہ کیا آپ شراب کی پنی لے کر جماعت میں جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ نہیں میں شراب چھوڑ کر جاؤں گا۔ اس کے بعد وہ جماعت میں گئے۔ تین دن کے بعد جب وہ واپس آئے تو وہ ایک بدلے ہوئے انسان تھے۔ اب نھو صاحب کو لوگ ایک دیندار انسان کی

حیثیت سے جانتے ہیں۔

حال میں جناب ابوالبرکات علوی کی ملاقات نھو صاحب سے ہوئی۔ ابوالبرکات صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کبھی شراب پینے کا جی نہیں چاہتا۔ انھوں نے جواب دیا کہ تبلیغ والوں نے جو بات بتائی وہ مجھ کو شراب سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کی حقیقت کیا ہے۔ تبلیغ نام ہے ـــ دوسرے کے درد کو اپنے سینہ میں محسوس کرنے کا۔ تبلیغ یہ ہے کہ آدمی آخری حد تک اس کا خیر خواہ ہو جائے جس کی وہ اصلاح چاہتا ہے۔ دوسرے شخص کی برائی کو دیکھ کر وہ اس سے نفرت نہ کرے بلکہ وہ اور زیادہ اس کی اصلاح کا حریص بن جائے۔ مدعو کے منہ سے شراب کی بدبو آرہی ہو پھر بھی وہ اس سے اپنا رخ نہ پھیرے۔ وہ بات سننے سے انکار کردے تب بھی وہ اس سے ناامید نہ ہو۔

تبلیغ دراصل بھٹکے ہوئے لوگوں کا خیر خواہ بننے کا دوسرا نام ہے۔ سچے داعی کا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف وہ اپنے مدعو کی اصلاح کے لئے اپنی ساری کوششیں صرف کردیتا ہے۔ دوسری طرف وہ مدعو کے لئے مسلسل دعائیں کرتا رہتا ہے تاکہ اس کی اپنی کوشش میں جو کمی رہ گئی ہے خدا اس کی تلافی کردے اور اپنی مدد سے اس کی کوششوں کو تکمیل تک پہنچادے۔

تبلیغ کی شریعت میں نفرت حرام ہے۔ جہاں دوسرے لوگ غصہ سے بھڑک اٹھتے ہیں، داعی وہاں یک طرفہ طور پر لوگوں کو معاف کردیتا ہے۔ جہاں دوسرے لوگ منفی قسم کی جوابی کارروائی کرنے لگتے ہیں وہاں داعی آخری حد تک مثبت روش پر قائم رہتا ہے۔ جہاں دوسرے لوگ صرف اپنے جذبات کے مجروح ہونے کو جانتے ہیں، وہاں داعی کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوسروں کے جذبات مجروح نہ ہونے پائیں۔ خلاصہ یہ کہ دوسرے لوگ اگر اپنے آپ میں جیتے ہیں تو داعی اس لئے جیتا ہے کہ وہ دوسروں کے لئے بھلائی کا دروازہ کھول سکے۔

نظریاتی سپر پاور

اسلام ایک نظریاتی سپر پاور ہے۔ اور اس دنیا میں بلاشبہہ نظریاتی سپر پاور سے زیادہ طاقت ور کوئی دوسری چیز نہیں۔ دوسری طاقتیں مادی چیزوں پر غلبہ حاصل کرتی ہیں۔ اور نظریہ انسان کے اوپر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ دوسری طاقتوں کا زور صرف جسم کے اوپر چلتا ہے۔ نظریاتی طاقت آدمی کے ذہن ودماغ کو مسخر کر لیتی ہے۔ دوسری طاقتیں صرف وقتی طور پر کسی کو مجبور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ نظریاتی طاقت کی یہ خصوصیت ہے کہ لوگ آمادگیٔ قلب کے ساتھ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اسلام فطرت کا دین ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا مثنیٰ پیشگی طور پر ہر آدمی کے سینہ میں موجود ہے۔ آدمی پیدائشی طور پر اپنے اندر اس کی طلب رکھتا ہے۔ اسلام میں اور انسان میں وہی رشتہ ہے جو پانی میں اور پیاسے میں ہوتا ہے۔ اسلام کو پانا خود اپنے آپ کو پانا ہے۔ اسلام کی دریافت خود اپنی دریافت ہے۔

جس خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اسی خدا نے انسان کے لئے اس کا دین بھی مقرر کیا ہے۔ اسی دین خداوندی کا نام اسلام ہے۔ خدا کی طرف سے جو رسول آئے، سب اسی دین کو لے کر آئے۔ مگر زمانہ کے انقلابات میں دوسرے ادیان بگڑ گئے۔ وہ اپنی اصلی اور ابتدائی حالت پر باقی نہیں رہے۔ مگر اسلام اپنی اسی اصل حالت پر آج بھی باقی ہے جس حالت میں اول دن اسے رب العالمین نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا تھا۔ دوسرے مذاہب محرف دین ہیں اور اسلام غیر محرف دین۔

اسلام علم کے تمام معیاروں پر پورا اترتا ہے۔ اس کے تمام کردار تاریخی کردار ہیں نہ کہ افسانوی یا غیر تاریخی کردار۔ اسلام میں اور سائنس میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ جدید علمی دریافتوں نے صرف اسلام کی تصدیق کی ہے۔ زمانہ کی ترقیوں سے اسلام کا کوئی ٹکراؤ نہیں۔ اسلام کی ان خصوصیات نے اسلام کو نظریاتی سپر پاور کی حیثیت دے دی ہے۔ افکار ونظریات کے میدان میں وہ بلا مقابلہ کامیابی حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہے۔

خدا کی عبادت

ایک حدیث میں ہے کہ خدا کا فرشتہ انسان کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیا۔ فرشتے نے آپ سے سوال وجواب کے انداز میں گفتگو کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو دین کے بارہ میں بتایا جائے۔ ایک سوال یہ تھا کہ احسان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ فتح الباری ۱/۱۴۰

عبادت دراصل اس عمل کا نام ہے جو خدا کی معرفت سے پیدا ہوتا ہے۔ جب ایک آدمی خدا کو گہرائی کے ساتھ دریافت کرتا ہے تو اس کا پورا وجود خدا کے آگے جھک جاتا ہے۔ وہ پورے معنی میں خدا کا پرستار بن جاتا ہے۔ اس کے صبح وشام خدا کی یاد میں گزرنے لگتے ہیں۔ اس کی داخلی کیفیت خارجی پرستش کی صورت میں ظاہر ہونے لگتی ہے۔ وہ سراپا خدا کا عبادت گزار بندہ بن جاتا ہے۔ اس عبادت گزاری کے دو درجے ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کی معرفت اتنی زیادہ گہری ہو کہ اس کا یہ حال ہو جائے گویا کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ ادراک کی شدت کی بنا پر اس کو مشاہدہ جیسے تجربات ہونے لگیں۔ غیب میں ہوتے ہوئے خدا اس کے لئے ایک موجود حقیقت بن جائے۔ بظاہر نہ دیکھنے کے باوجود اس کو محسوس ہونے لگے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اس کیفیاتی شدت کے تحت جو عبادت کی جائے اس میں انسان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ جس خدا کی عبادت کر رہا ہے گویا کہ وہ ایک زندہ ہستی کے طور پر اس کے سامنے موجود ہے۔

اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی کو خدا کی موجودگی کا ایسا زندہ احساس تو نہ ہو مگر یقین کی بنا پر اس کے دل ودماغ میں یہ تصور چھایا ہوا ہو کہ اگرچہ خود میں تو خدا کو نہیں دیکھ رہا ہوں مگر خدا بلاشبہہ مجھ کو پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ خدا کے حاضر وناظر ہونے کا یقین اس کو خدا کے آگے جھکا دے۔

مسئولیت نہ کہ خودی

ایک صاحب نے کہا کہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو دوبارہ اٹھانے کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ ان کے اندر خودی اور خود شناسی کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ میں نے کہا کہ یہ بالکل الٹی تدبیر ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کا راز نفی خودی میں ہے نہ کہ اثبات خودی میں۔ خودی آدمی کی انانیت کو ابھارتی ہے، جب کہ آدمی کی اصلاح کے لئے ایسا نظریہ چاہئے جس سے آدمی کی انا مغلوب ہوتی ہو۔

انھوں نے کہا کہ نفی خودی تو خودکشی کے ہم معنی ہے۔ کیوں کہ اس سے آدمی کے اندر عمل کے جذبات بیدار نہیں ہوتے۔ اس سے منفعلانہ قسم کی درویشی پیدا ہو سکتی ہے۔ فعال اوصاف اس کے ذریعہ پیدا نہیں کئے جاسکتے۔ میں نے کہا کہ آپ کے اس خیال کی بنیاد یہ ہے کہ آپ خودی کا تقابل درویشوں کی انفعالیت سے کر رہے ہیں۔ آپ خودی کا تقابل صحابہ کرام کی فعالیت سے کیجئے۔ اس وقت آپ اس معاملہ میں صحیح رائے قائم کر سکیں گے۔

صحابہ کرام دنیا کے سب سے زیادہ فعال لوگ تھے۔ مگر ان کی اس فعالیت کا سر چشمہ خود شناسی نہیں بلکہ مسئولیت شناسی تھی۔ وہ احساس مسئولیت سے متحرک ہوئے تھے نہ کہ احساس خویشی سے۔ حقیقت یہ ہے کہ خودی یا خود شناسی کی بنیاد پر جو لوگ متحرک ہوتے ہیں، ان کی ایک حد ہوتی ہے۔ ایک خاص حد پر پہنچ کر ان کی عملیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس احساس مسئولیت سے جو عمل پیدا ہوتا ہے، اس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جس چیز نے متحرک کیا تھا وہ یہ احساس تھا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی پوچھ ہوگی۔ ابو بکر صدیق و عمر فاروق مثالی درجہ کے فعال افراد تھے۔ مگر ان کی فعالیت کا سر چشمہ یہی مسئولیت کا احساس تھا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ "خودی" جیسے کسی نظریہ نے ان کی صلاحیتوں کو متحرک کیا ہو۔

توحید کی حقیقت

حضرت آدم کے بعد غالباً سب سے پہلے پیغمبر حضرت نوح ہیں۔ حضرت آدم کی امت میں بگاڑ آگیا تو اس کو دوبارہ خالص توحید کا پیغام دینے کے لئے حضرت نوح بھیجے گئے۔ حضرت نوح نے قوم کی گمراہیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے جو کچھ کہا، اس میں ایک بات یہ تھی کہ تم لوگوں کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو (مالكم لا ترجون لله وقارا) نوح ۱۳

یعنی تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے۔ اور اللہ کے عظمت و جلال سے ڈرتے کیوں نہیں۔ حضرت نوح کی قوم اللہ کو مانتی تھی۔ مگر تعظیم و توقیر کا جو درجہ اللہ کو دینا چاہئے، وہ درجہ انھوں نے اپنے قومی اکابر کو دے رکھا تھا۔ ان قومی اکابر کا نام قرآن میں وَد، سُواع، یعوق اور نَسر بتایا گیا ہے (نوح ۲۳) ایک روایت کے مطابق، یہ لوگ حضرت آدم کی ابتدائی نسل سے تعلق رکھتے تھے (تفسیر قرطبی)

قوم نوح کی گمراہی یہ تھی کہ وہ اللہ کا اقرار کرتی تھی مگر اسی کے ساتھ وہ اکابر پرستی کی بیماری میں بتلا تھی۔ وہ وجود الٰہی کی منکر نہ تھی۔ مگر اپنے دل و دماغ میں اس نے جن کو سب سے اعلیٰ مقام دے رکھا تھا وہ اس کے مزعومہ اکابر تھے نہ کہ ذات خداوندی۔ اس کے قلب و دماغ پر اللہ کی عظمت کا احساس اس طرح چھایا ہوا نہ تھا جس طرح رب العالمین کو ماننے والے ایک انسان پر فی الواقع چھایا ہوا ہونا چاہئے۔ اللہ کو صرف ماننا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ آدمی اس کو اپنی روح اور اپنی نفسیات میں سب سے اونچا مقام دئے ہوئے ہو۔ جو آدمی اللہ کی عظمت میں جی رہا ہو وہ خدا پرست ہے، اور جس آدمی کا دل اللہ کے سوا کسی اور کی عظمت میں ڈوبا ہوا ہو وہ غیر خدا پرست۔ یہ غیر خدائی معبود انسانی اکابر بھی ہو سکتے ہیں اور دوسری مزعومہ ہستیاں بھی۔

مشرک انسان خدا کا منکر نہیں ہوتا۔ مشرک انسان کی گمراہی یہ ہے کہ خدا کے لئے اس کے پاس صرف لفظی اظہار ہوتا ہے اور دوسری ہستیوں کے لئے قلبی کیفیات۔

ایمان ایک زلزلہ خیز عقیدہ

آپ اپنے گھر میں اپنے بچہ کے ساتھ ہیں۔ اتنے میں زمین سے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ دیواریں اور چھتیں ہلنے لگیں۔ کھڑکیاں زور زور سے کھلنے اور بند ہونے لگیں۔ بچہ پوچھتا ہے کہ ابا، یہ کیا چیز ہے۔ آپ اس کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بھونچال ہے۔

غور کیجئے کہ اس طوفان خیز لمحہ میں آپ کا یہ کہنا کہ "یہ بھونچال ہے" کیا صرف چند الفاظ کا مجموعہ ہوگا۔ آپ یہ جملہ بول کر بھی سکون کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھے رہیں گے۔ یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا۔ "یہ بھونچال ہے" کا جملہ بظاہر ایک لفظی جملہ ہے۔ مگر وہ ایک عظیم واقعہ کا اعلان ہے۔ وہ ایسا جملہ ہے جس کو زبان سے ادا کرتے ہی آدمی کے اوپر کپکپی طاری ہو جائے۔

"یہ بھونچال ہے" کا لفظ بولتے ہی خود آپ کے اندر بھی ایک بھونچال آجائے گا۔ آپ کی پوری شخصیت ہل جائے گی۔ سر سے پیر تک آپ کا پورا وجود ایک نیا وجود بن جائے گا۔ اس کے بعد آپ ایک ایسے انسان بن جائیں گے جو آپ اس سے پہلے نہیں تھے۔

اسی طرح آپ اپنے دوست کے ساتھ ایک جنگل میں چل رہے ہیں۔ اچانک آپ دیکھتے ہیں کہ پاس کی جھاڑی میں ایک خوفناک شیر کھڑا ہوا ہے۔ آپ اپنے دوست سے کہتے ہیں کہ "یہ ایک شیر ہے" یہ جملہ بھی اس وقت محض ایک لفظی کلمہ نہیں ہوگا بلکہ وہ ایک طوفان خیز تجربہ ہوگا۔ آپ کے جسم میں خون کی گردش خون کا طوفان بن جائے گی۔ یہ ایک ایسا لمحہ ہوگا جو آپ کو اندر سے باہر تک ایک نیا انسان بنادے گا۔ اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جب ایک انسان کہتا ہے کہ لا الہ الا اللہ تو اس کا مطلب کیا ہے۔ یہ محض چند الفاظ کو اپنی زبان سے دہرانا نہیں ہے بلکہ یہ اس خدا کی موجودگی اور کارفرمائی کا اقرار کرنا ہے جو شیر کا اور بھونچال کا اور ہر چیز کا خالق ہے۔ کیسی عجیب بات ہوگی اگر شیر اور زلزلہ کی موجودگی کا اقرار آدمی کے اندر طوفان برپا کردے اور خداوند ذوالجلال کی موجودگی کا اقرار آدمی کے اندر کوئی ہلچل برپا نہ کرے۔

درس حدیث

امام احمد نے مکی دور کا ایک واقعہ اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ عمرو بن عبسہ اپنے آپ کو چوتھا مسلم (ربع الاسلام) کہتے تھے۔ ابو امامہ نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنے کو چوتھا مسلم کیوں کہتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو خبریں بتاتا ہے۔ میں اونٹ پر سوار ہو کر مکہ گیا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر کام کر رہے ہیں اور آپ کی قوم آپ پر جری ہو گئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے علاوہ آپ کے ساتھ کون ہے۔ آپ نے کہا کہ ایک آزاد اور ایک غلام (ابو بکر اور بلال)۔ میں آپ پر ایمان لایا۔ اس طرح میں تین کے بعد اسلام میں چوتھا شخص بنا۔

عمرو بن عبسہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ نے آپ کو کن باتوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا جائے، اور بتوں کو توڑنا اور صلہ رحمی کرنا۔ (بان یوحد الله و لا یشرك به شیٔا و کسر الاوثان وصلة الرحم) حیات الصحابہ، ۱/۷۱

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دعوت کے بنیادی نکات کیا ہیں۔ اس کا پہلا نکتہ توحید ہے۔ اسلام کا پہلا اور اہم ترین تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو ہر قسم کے مشرکانہ خیالات سے پاک کرے اور ایک اللہ کا پرستار بن جائے۔ بت کو توڑنے سے مراد صرف پتھر کے بت کو توڑنا نہیں ہے بلکہ ہر اس چیز کو توڑنا ہے جو بت کا درجہ حاصل کر لے۔

توحید یہ ہے کہ آدمی کی تمام عقیدتوں اور تمام امیدوں کا مرکز ایک خدا بن جائے۔ اور شرک یہ ہے کہ اپنی عقیدتوں اور امیدوں میں خدا کے سوا کسی اور کو شامل کر لیا جائے۔

صلہ رحمی ایک علامت ہے۔ اس سے مراد عام انسانوں کے حقوق ادا کرنا ہے۔ تاہم اس ادائگی حقوق کی فہرست میں رشتہ داروں کے حقوق کی ادائگی کا نمبر سب سے پہلے آتا ہے۔

حقائق پر اعتماد

۶ھ میں پیغمبر اسلام اور مشرک سرداروں کے درمیان صلح کا وہ معاہدہ ہوا جس کو صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ لمبی بات چیت کے بعد جب معاہدہ کی دفعات طے ہو گئیں تو پیغمبر اسلام نے اس کو کاغذ پر لکھوانا شروع کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب اس کی کتابت کر رہے تھے۔ آپ نے کہا کہ هذا ما صالح علیه محمد رسول الله ۰۰۰ (سیرت ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۲۰)

مشرکین کے نمائندہ نے اس پر اعتراض کیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے آپ کے درمیان یہی تو جھگڑا ہے کہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے۔ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں تو جھگڑا اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے آپ اس طرح لکھئے کہ هذا ما صالح علیه محمد بن عبد الله۔ آپ فوراً اس پر راضی ہو گئے۔

حضرت علی سے آپ نے کہا کہ معاہدہ کے کاغذ سے محمد رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھو۔ حضرت علی نے کہا کہ میں اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کا لفظ نہیں مٹا سکتا۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام نے کاغذ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دیا۔ اس کے بعد حضرت علی سے آپ نے کہا کہ اب یہاں محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (صفحہ ۳۲۱)

پیغمبر اسلام کی اصل حیثیت یہی تھی کہ وہ اللہ کے رسول تھے۔ آپ کا پورا مشن آپ کے اسی دعوے پر کھڑا ہوا تھا۔ رسول اللہ کے لفظ کو مٹانا گویا اپنی اصل حیثیت کو مٹا دینے کے ہم معنی تھا۔ یہ ایک بے حد نازک موقع تھا۔ رسول اللہ کا لفظ مٹانے کا مطلب لوگوں کو یہ کہنے کا موقع دینا تھا کہ آپ کو خود اپنی اس حیثیت کے بارے میں شک ہے۔

لیکن پیغمبر اسلام نے ان باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ایک ایسے بلند انسان تھے جو حقائق میں جینے والا ہو، جو ظواہر سے اوپر اٹھ کر چیزوں کو دیکھ سکے۔ اپنی اس نفسیات کی بنا پر آپ محسوس کر رہے تھے کہ کاغذ پر خواہ جو بھی لکھا جائے مگر آخر کار جو چیز غالب

رہے گی وہ حقیقت ہے۔ آپ کا یہ غیر متزلزل یقین کہ میں خدا کا رسول ہوں، یہی اس بات کی کافی ضمانت تھا کہ آپ ایک ایسی چیز کو کوئی اہمیت نہ دیں جو خود حقائق کے زور پر ایک دن مٹ کر رہ جائے گی۔ کوئی نہ اس کا حامی ہوگا اور نہ کوئی اس کا وکیل۔

رسول اللہ ﷺ کے اس واقعہ سے اسلام کا ایک اہم اصول معلوم ہوتا ہے۔ یہ اصول ہے ـــــ اجتماعی معاملات میں حقیقت پسندی کا طریقہ اختیار کرنا۔

ایک شخص جب اپنی انفرادی نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اس میں خواہ لمبی سورہ پڑھے یا چھوٹی سورہ۔ لیکن جب وہ ایک بڑی جماعت کی امامت کر رہا ہو تو اس کو دوسروں کا لحاظ کرنا پڑے گا۔

یہی حکم دوسرے اجتماعی معاملات کا بھی ہے۔ اجتماعی معاملات میں ہمیشہ ایک سے زیادہ فریق ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسے معاملات میں دوسروں کی رعایت کی جائے۔ ورنہ باربار ایسی رکاوٹیں پیش آئیں گی کہ اجتماعی زندگی کا سفر طے کرنا ہی مشکل ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کی نظر حال سے زیادہ مستقبل پر ہونی چاہئے۔ ایک معاملہ میں اگر فریق ثانی کسی شرط پر اصرار کرے اور اہل اسلام بھی جوابی ضد کرنے لگیں تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ تعطل پیدا ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ طرفین کی یہ ضد متشددانہ ٹکراو کی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام کی پالیسی یہ ہے کہ وقتی طور پر فریق ثانی کی ضد کو مان لیا جائے اور اسی کے ساتھ اپنے تعمیر واستحکام کے عمل کو جاری رکھا جائے۔ اور یہ یقین کیا جائے کہ جو چیز حال میں بظاہر حاصل نہیں ہو رہی ہے وہ مستقبل میں ضرور حاصل ہو جائے گی۔

اختلافی معاملے میں ٹکراؤ کا طریقہ اختیار کیا جائے تو پیش قدمی کا عمل رک جاتا ہے۔ اس کے برعکس مصالحانہ طریقہ اختیار کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ بظاہر وقتی نقصان کے باوجود پیش قدمی کا عمل جاری رہتا ہے۔ اور کامیاب عمل وہی ہے جو کسی رکاوٹ کے بغیر مسلسل جاری رہے۔

منافقت کا نیا دور

ایک روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ اس کے مطابق، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعد کے زمانے میں لوگوں کے درمیان سے امانت (honesty) اٹھ جائے گی۔ تقریباً تمام لوگ خائن (dishonest) ہو جائیں گے۔ مگر یہ زوال صرف داخل کے اعتبار سے آئے گا۔ جہاں تک ظاہر کا تعلق ہے معاملہ اس سے بالکل مختلف ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ:

ویقال للرجل: ماأعقله وما أظرفه وما أجلده وما فی قلبه مثقال حبة خردل من ایمان (صحیح البخاری، کتاب الفتن) یعنی اور ایک آدمی کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ کتنا زیادہ عقل مند ہے، وہ کتنا زیادہ خوش گفتار ہے، وہ کتنا زبردست ہے۔ حالانکہ اس کے دل میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

اس حدیث میں غالباً ان منافقین کا ذکر ہے جو صنعتی تہذیب کے دور میں پیدا ہونے والے تھے۔ منافقت دراصل مفاد پرستانہ کردار کا دوسرا نام ہے۔ یعنی آدمی کے اندر ایمان واخلاق کی روح موجود نہ ہو۔ مگر مادی فائدے کے لئے یا لوگوں کے درمیان اچھا بننے کے لئے وہ ظاہری طور پر ایمان واخلاق کی نمائش کرے۔

یہ عین وہی چیز ہے جس کو موجودہ زمانے میں پروفیشنل اخلاق کہا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں اس قسم کے مصنوعی اخلاق کے فائدے ہزاروں گنا بڑھ گئے ہیں۔ اسی کے ساتھ مصنوعی اخلاق کے وسائل میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اس زمانی فرق نے منافقانہ روش اختیار کرنے کے محرکات میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ اس بنا پر یہ بالکل فطری ہے کہ صنعتی تہذیب کے دور میں ایسے شاندار منافقین ظہور میں آئیں جن کا ظہور قدیم زمانہ میں ممکن نہ تھا۔ نئے دور کی منافقت کو دوسرے لفظوں میں پروفیشنل اسلام بھی کہا جا سکتا ہے۔ دور جدید کے پررونق اسباب ووسائل نے پروفیشنل اسلام کو اتنا زیادہ شاندار بنا دیا ہے جو بظاہر مخلصانہ اسلام میں بھی موجود نہیں۔

مسوری کا سفر

۲۵ جولائی ۱۹۹۹ کو مسوری میں ایک خصوصی پروگرام انٹر فیتھ ڈائیلاگ (Inter-faith Dialogue) کے نام سے ہوا۔ اس کا انتظام لال بہادر شاستری نیشنل اکیڈمی آف ایڈمنسٹریشن کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس موقع پر مختلف مذاہب کے اہل علم کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ مجھے اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے بلایا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں مسوری کا سفر ہوا۔

۲۵ جولائی ۱۹۹۹ کی صبح کو روانگی ہوئی۔ مجھ کو شتابدی اکسپریس کے ذریعہ دہلی سے دہرہ دون پہنچنا تھا۔ دہرہ دون سے بذریعہ کار مسوری کا سفر کرنا تھا۔ ڈاکٹر ڈے اور ڈاکٹر سمتانی وغیرہ کل سات آدمی دہلی سے اس سیمنار میں جارہے تھے۔

پہلا تجربہ نئی دہلی ریلوے اسٹیشن پر ہوا۔ یہاں ہماری ٹرین (شتابدی اکسپریس) پلیٹ فارم نمبر ۱۲ سے روانہ ہونے والی تھی۔ ہماری گاڑی ٹھیک پلیٹ فارم کے گیٹ تک پہنچ گئی۔ معلوم ہوا کہ یہاں یہ نیا انتظام کیا گیا ہے۔ کار کے ذریعہ اسٹیشن آنے والے لوگ سیدھے اپنی کار کو پلیٹ فارم تک لے جاسکتے ہیں۔ یہاں آنے والی کاروں کے لئے خصوصی پاس ۲۵ روپیہ کا ہوتا ہے۔

نئے ہندستان میں اس طرح دھیرے دھیرے عین وہی چیز ہوتی جارہی ہے جس کا الزام انگریزوں کو دیا جاتا تھا۔ یعنی اِلیٹ کلاس (Elite Class) کے لئے ہر جگہ خصوصی انتظام۔ یہ فرق پہلے انگریز اور ہندستانی کے درمیان تھا، اب وہ خود ہندستانی اور ہندستانی کے درمیان ہے۔ تحریک آزادی کے بڑے بڑے لیڈر جو ۱۹۴۷ سے پہلے انگریزوں کو یہ الزام دیتے تھے کہ انھوں نے ملک میں اپنے لئے خصوصی رعایتیں لے رکھی ہیں، وہ مستقبل کے حالات سے کتنا زیادہ بے خبر تھے۔

ٹرین دہلی سے آگے بڑھ کر پنجاب میں داخل ہوئی تو ریلوے لائن کے دونوں طرف

ہرے بھرے میدانوں کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ یہ سرسبز منظر دہرہ دون تک کے پورے سفر کے دوران جاری رہا۔ سرسبز درخت زمین کا حسن ہیں۔ زمین پر اگر سرسبزی نہ ہو تو زمین بالکل ایسی ہو جائے جیسی کوئی گنجے سر کا آدمی۔

میں اپنی پوری زندگی سرسبز مناظر کا دلدادہ رہا ہوں۔ اس قسم کا کوئی منظر دیکھ کر میں اس میں اس طرح کھو جاتا ہوں کہ دوسری کوئی چیز یاد ہی نہیں رہتی۔ سرسبز مناظر کو دیکھ کر ایک ایسی بے پناہ روحانی مسرت ہوتی ہے جس کا میں نے کسی اور چیز میں تجربہ نہیں کیا۔ یہ سرسبز مناظر زمین کے سوا وسیع کائنات میں کسی بھی دوسرے مقام پر موجود نہیں۔ میں نے سوچا کہ ایسا کیوں ہے کہ صرف زمین کی سطح کے اوپر استثنائی طور پر یہ سرسبز مناظر پیدا کیے گئے ہیں۔ وسیع کائنات میں کسی بھی دوسرے مقام پر اس قسم کا منظر موجود نہیں۔

یہ سوچتے ہوئے ایک عجیب خیال دل میں پیدا ہوا۔ میں نے سوچا کہ خالق کو یہ منظور تھا کہ جب وہ اس قسم کا حیرت انگیز حسن پیدا کرے تو وہاں ایک انسان بھی موجود ہو جو اس کو دیکھے تو اس کے اندر ایسا پر ارتعاش جذبہ پیدا ہو کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئیں اور وہ کہہ پڑے:

ربنا ما خلقت هذا باطلاً، سبحانك فقنا عذاب النار.

ہماری بوگی (چیئر کار) میں اتفاق سے انگریزی اسکول کی لڑکیاں سفر کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل زور زور سے بول رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کی آواز ٹرین کی آواز پر غالب آگئی۔ وہ سب انگریزی بول رہی تھیں۔ بظاہر وہ گیارہویں یا بارہویں کلاس کی لڑکیاں تھیں۔ ان کا شور سن کر مجھے کسی کا قول یاد آیا کہ: سب سے زیادہ غیر تعلیم یافتہ وہ لوگ ہیں جو کہ تعلیم یافتہ ہیں۔

The most uneducated people are those who are educated people.

تعلیم بلاشبہہ بے حد اہم ہے۔ مگر صرف فارمل ایجوکیشن کافی نہیں۔ اسی کے ساتھ انفارمل ایجوکیشن بھی بے حد ضروری ہے جس کا مقصد شعور کی تعمیر اور کیرکٹر بلڈنگ ہو۔ اس کے بغیر صرف فارمل ایجوکیشن کافی نہیں ہو سکتی۔

اس کی ایک مثال تبلیغی جماعت ہے۔ سر سید نے تعلیم کے ساتھ ہر ہاسٹل میں نماز خصوصی انتظام کیا مگر اس انتظام سے بہت کم لوگ نمازی بن سکے۔ لیکن تبلیغی جماعت کی خار کوششوں کے نتیجہ میں لاکھوں لوگ نمازی بن گئے حتی کہ خود کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لو بھی۔

لڑکیوں کا شور جب ختم نہیں ہوا تو ایک صاحب سے رہا نہیں گیا۔ انھوں نے کھڑے کر بلند آواز سے لڑکیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

This coach does not belong to you alone.

مگر اس کے باوجود لڑکیوں کا شور ختم نہیں ہوا۔

میں نے مغربی ملکوں میں بار بار سفر کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں کے لڑکے اور لڑکیاں بہت دھیمی آواز میں بولتے ہیں۔ ان لوگوں کو میں نے کبھی شور کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس فرق کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ آزادی کے ساتھ اپنی سماجی ذمہ داریوں کو بھی جانتے ہیں جب کہ ہمارے نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ انھیں اپنی آزادی کی خبر تو ضرورت سے زیادہ ہے مگر اپنی سماجی ذمہ داریوں کی خبر انھیں بقدر ضرورت بھی نہیں۔

تاہم ہمارے ساتھی ڈاکٹر ایس کے ڈے (ڈائرکٹر گاندھی پیس فاؤنڈیشن) کا رول ابھی باقی تھا۔ وہ ظرافت کے انداز میں بات کرنے کے ماہر ہیں۔ ایک بار ہماری مجلس تھی۔ جو دیر تک قائم رہی۔ ڈاکٹر ڈے نے اپنی شگفتہ باتوں سے لوگوں کو احساس نہیں ہونے دیا کہ ان پر دو گھنٹہ کا وقت گذر چکا ہے۔ جب میں مجلس سے اٹھنے لگا تو ایک صاحب نے کہا کہ شاید آپ بور ہو گئے۔ میں نے جواب دیا:

Where there is Dr. Day, there is no question of boredom.

چنانچہ ڈاکٹر ڈے نے اپنی ظرافت کی تدبیر سے ٹرین میں لڑکیوں کے شور کے مسئلہ کو حل کیا۔ وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر لڑکیوں کے پاس گئے اور نرمی کے ساتھ ان سے کہا: اس سے اچھا تو یہ تھا کہ آپ نے ہمیں ایک گانا سنایا ہوتا۔ ڈاکٹر ڈے کا یہ جملہ سن کر لڑکیاں شرمندہ ہو گئیں اور

اس کے بعد ان کا شور کرنا بند ہو گیا۔

ہمارے قافلہ میں ایک سینئر پروفیسر تھے جن کا نام ڈاکٹر ایم ایچ سمتانی تھا۔ ان کا سبجیکٹ بدھزم رہا ہے۔ انھوں نے اس پر ریسرچ کی ہے۔ وہ پالی اور سنسکرت زبان بھی جانتے ہیں۔ ان سے میں نے پوچھا کہ کیا گوتم بدھ کی تعلیمات اوریجنل زبان میں موجود ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ اب بدھزم کا جو لٹریچر ہمارے پاس موجود ہے وہ پالی اور سنسکرت میں ہے جو کہ سب کا سب ترجمہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ گوتم بدھ کے اپنے بولے ہوئے الفاظ کا کوئی ریکارڈ کیا آج بھی پایا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ کچھ مثالیں دی جاتی ہیں مگر وہ تاریخی طور پر مستند نہیں ہیں۔

اس قسم کا سوال اگر پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں پوچھا جائے تو کوئی بھی مسلمان یہ کہے گا کہ ہاں، آپ کی تعلیمات آج بھی اسی ابتدائی زبان میں موجود ہیں۔ آپ کے بولے ہوئے الفاظ آج بھی وہی کے وہی حدیث کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ کتنا زیادہ فرق ہے اسلام میں اور دوسرے مذہبوں میں۔

راستہ میں ایک عیسائی پروفیسر ڈاکٹر پی کے جان سے گفتگو ہوئی وہ دہلی میں رہتے ہیں اور مسوری کے سیمنار میں شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ وہ کرسچین تھیالوجی پڑھاتے ہیں۔ ان سے مسیحی عقائد پر دیر تک باتیں ہوئیں۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ ہم مسیح کو پرافٹ اور سن آف گاڈ دونوں مانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ کیا سن آف گاڈ اسی سنس میں جس میں کہ ہر آدمی اپنے باپ کا بیٹا ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ پھر مسیح کا تو ایک فزیکل وجود تھا۔ آپ کے عقیدہ کے مطابق ان کو پھانسی بھی دی جا سکتی تھی۔ پھر کیا خدا بھی اسی طرح فزیکل وجود ہے۔ جس پر موت و حیات کے قوانین وارد ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ خدا ایک غیر فزیکل وجود ہے۔ میں نے کہا کہ بیٹا تو ہمیشہ اپنے باپ کا جزء ہوتا ہے۔ پھر ایسا کیوں کر ممکن ہے کہ خدا تو غیر فزیکل وجود ہو اور اس کا بیٹا فزیکل وجود کی شکل میں ظاہر ہو۔ اس کا وہ کوئی واضح جواب نہ دے سکے۔

اسی طرح میں نے پوچھا کہ تثلیث (Trinity) کا عقیدہ جو موجودہ مسیحیت کا بنیادی عقیدہ ہے وہ انجیل مقدس میں کہاں ہے۔ لمبی گفتگو کے بعد انھوں نے اقرار کیا کہ تثلیث کا عقیدہ اپنی موجودہ شکل میں دوسری صدی عیسوی میں وجود میں آیا۔

ڈاکٹر ڈے بھی اس سفر میں چل رہے ہیں۔ وہ ایک معمر آدمی ہیں۔ اور تقسیم سے پہلے کی ہندستانی سیاست سے کافی واقف ہیں۔ ایک گفتگو کے دوران انھوں نے کہا کہ مسٹر محمد علی جناح کو میں قریب سے جانتا ہوں۔ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ایک پکے سیکولر آدمی تھے۔ میں نے کہا کہ پھر کیسے وہ مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر بن گئے۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں میں کوئی دوسرا آدمی تھا ہی نہیں۔ میں نے مولانا ابوالکلام آزاد کا نام لیا۔ انھوں نے کہا کہ میں مولانا آزاد کو بھی قریب سے جانتا ہوں۔ ان کا کیس لینگویج بیریر (Language barrier) کا کیس تھا۔ ان کی کمی یہ تھی کہ وہ جناح صاحب کی طرح انگریزی نہیں بول سکتے تھے۔

میں نے سوچا کہ مولانا آزاد نہایت ذہین تھے۔ ان کا حافظہ بھی بہت اچھا تھا۔ وہ بہت آسانی سے انگریزی بولنے کی مشق پیدا کر سکتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان کے جیسے آدمی کے لئے ایک سال سے بھی کم محنت کافی تھی۔ انھوں نے تقسیم کے بعد جامع مسجد دلی میں جو تقریر کی تھی اس میں انھوں نے مسلمانوں سے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے چلنا چاہا مگر تم نے مجھے چلنے نہیں دیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ شکایت ان کو اپنے آپ سے کرنی چاہئے تھی۔ اگر وہ محنت کر کے جناح اور نہرو کی طرح انگریزی اسپیکر بن جاتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ ہندستانی مسلمانوں کے بلاشرکت غیرے لیڈر بن جاتے۔ اس کے بعد دوسری قیادتی لکیریں اپنے آپ چھوٹی ہو جاتیں۔

دہرہ دون ریلوے اسٹیشن سے روانگی ہوئی تو تھوڑی دور آگے بڑھ کر پہاڑ کی چڑھائی شروع ہو گئی۔ ہماری گاڑی گھومتی ہوئی سڑکوں پر چڑھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ پہاڑی راستہ طے کرنے کے لئے اس قسم کی چکر دار سڑکیں بنانے کا کام انگریزوں نے کیا۔ اس طرح انھوں نے میدانی لوگوں کے لئے پہاڑ پر چڑھنا آسان بنا دیا۔ انہیں سڑکوں کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ

پہاڑی علاقے (hill stations) پر آبادیاں قائم ہوں اور قدرت کے اس نادر مقام کو شہروں کی تعمیر کے لئے استعمال کیا جاسکے جس کو پہاڑی مقام (hill station) کہا جاتا ہے۔ یہ پہاڑی سفر ایک ایسے ماحول میں ہو رہا تھا جہاں اوپر پھیلا ہوا آسمان تھا اور نیچے چاروں طرف پھیلی ہوئی سرسبز کائنات۔ فطرت کا یہ حسن شاید اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ آدمی آخرت کے جنتی حسن کا تصور کرسکے اور اس کا طالب بنے۔

دہرہ دون ریلوے اسٹیشن سے روانہ ہو کر ہمارا قافلہ بذریعہ کار لال بہادر شاستری نیشنل ایڈمنسٹریٹیو اکیڈمی پہنچا۔ یہاں ہم لوگ جب پہنچے تو مسٹر سنجیو چوپڑا (I A S) ہم لوگوں کو ریسیو کرنے کے لئے موجود تھے۔ ڈاکٹر ڈے نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ انھوں نے یہاں کے سیمنار میں آپ کی شرکت پر بہت اصرار کیا تھا۔ یہ آپ کو پڑھتے رہتے ہیں اور آپ کے بہت ایڈمائرر (admirer) ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر ڈے نے ہنستے ہوئے کہا:

When you are going to convert him to Islam.

یہاں ہم لوگوں کو ہیپی ویلی (Happy Valley) میں ٹھہرایا گیا۔ میرا کمرہ نمبر ۶۰۳ تھا۔ اس ہیپی ویلی گیسٹ ہاؤس کا جائے وقوع نہایت عمدہ تھا۔ وہ گویا قدرت کے حسین مناظر کے درمیان واقع ہے۔

یہاں لازوال سکون کا ماحول ہے۔ ہوا، دہلی کے برعکس بالکل خالص ہے۔ شبلی نے ''بمبئی'' کے بارے میں جو کہا تھا وہ اس مقام کے اوپر صادق آتا ہے:

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر　　　بادہ نوشی ہے باد پیمائی

۲۵ جولائی کی سہ پہر کو میں مسوری پہنچا تھا۔ دن میں یہاں کے مختلف مقامات دیکھتا رہا اور مختلف لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ رات کو اپنے کمرے میں سویا تو اچھی نیند آگئی۔ رات کے پچھلے پہر خواب میں دیکھا کہ میں کسی شخص (غالباً مولانا محمد فاروق خاں صاحب) سے کہہ رہا ہوں کہ ہم لوگ تین زبان میں الرسالہ نکال رہے تھے ــــــ اردو، ہندی اور انگریزی۔ اس سے پہلے میں اردو کو پرائمری اہمیت دیتا تھا۔ اور انگلش کو صرف سیکنڈری درجہ دئے ہوئے تھا۔ مگر اب میں نے

یہ طے کیا ہے کہ انگلش کو پرائمری اہمیت دی جائے۔ اور اردو اور ہندی کو سکینڈری درجہ میں رکھا جائے۔

یہ خواب بظاہر ایک اہم خواب معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں انگریزی زبان نے غیر معمولی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ تاریخ میں پہلی بار صحیح معنوں میں ایک عالمی زبان وجود میں آئی ہے اور وہ انگریزی ہے۔ انگریزی کو عالمی زبان کی حیثیت دینے کا کام پہلی بار برٹش ایمپائر نے کیا جس کا رقبہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں سورج نہیں ڈوبتا تھا۔ اس کے بعد امریکہ نے انگریزی کو بہت زیادہ وسعت دی۔ آزادی کے بعد جب امریکی اسمبلی میں یہ سوال آیا کہ ملک کی قومی زبان کیا ہو تو صرف ایک ووٹ سے اسپینی زبان کے مقابلہ میں انگریزی کو امریکہ کی قومی زبان کا درجہ حاصل ہوا۔

مسوری کا نام میں نے شاید پہلی بار سب سے پہلے ۱۹۲۸ کے آخر میں سنا جب کہ میرے خاندان کے ایک بزرگ مولانا اقبال احمد سہیل مرحوم مسوری گئے اور وہاں کے مناظر کو دیکھ کر اس پر ایک نظم لکھی۔ یہ نظم ۳۰ سے زیادہ اشعار پر مشتمل تھی۔ اس کے پہلے حصہ میں کوہ مسوری کے فطری حسن کا ذکر تھا۔ اس کے بعد اس کے دوسرے حصہ میں کچھ سبق آموز باتیں کہی گئی تھیں۔ اس نظم کا خاتمہ اس شعر پر ہوا تھا:

خیز و گلزارِ وطن را آب و رنگ از سر بدہ　　　　ایں خرابات کہن را رونقِ دیگر بدہ

اسی کے ساتھ اس میں توحید کا پیغام بھی ان الفاظ میں دیا گیا تھا:

دہر کو معمور کر دے نغمۂ توحید سے　　　　چھیڑ دے ناخن سے پھر تار ربابِ زندگی

مولانا اقبال احمد سہیل جب ۱۹۲۸ میں مسوری آئے تو انھوں نے اپنی نظم (کوہ مسوری) میں جن تاثرات کا تذکرہ کیا تھا ان میں سے ایک تاثر یہ تھا:

اے مسوری تیرے صدقے تو نے دکھلایا ہمیں
کس طرح ہیں اہلِ مغرب کامیاب زندگی



نظم میں یہ شعر تو موجود تھا مگر اس میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ مسوری میں وہ کون سی مثالیں ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اہل مغرب نے کس طرح کامیاب زندگی حاصل کی ہے۔ یہی شعر کی کمزوری ہے۔ یہ ایک محدود اسلوب کلام کا نام ہے۔

شعر میں کسی کو نغمہ تو مل سکتا ہے مگر شعر میں رہنمائی نہیں مل سکتی۔ رہنمائی کا کام صرف نثر کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ شاعری کا آخری فائدہ ذہنی تفریح ہے نہ کہ فکری رہنمائی۔

مسوری میں ادھر اُدھر سفر کرتے ہوئے میں نے وہاں جو مناظر دیکھے اس سے میں نے یہ سمجھا کہ مسوری کس طرح اہل مغرب کی کامیاب زندگی کی داستان بیان کرتا ہے۔ وہاں کی سڑکیں بتاتی ہیں کہ دشوار گزار مقامات پر معمول کا سفر طے کرنا کس طرح ممکن ہوتا ہے۔ سطح سمندر سے ۶ ہزار فٹ کی بلندی پر شہر بسا کر انھوں نے بتایا کہ سخت گرمی کے موسم میں بھی کس طرح ٹھنڈی رہائش گاہیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ کمیونی کیشن کے ذرائع دریافت کرکے انھوں نے یہ دکھایا کہ کس طرح دور دراز مقامات سے قریبی تعلقات قائم کئے جاسکتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں اونچے نیچے مقامات پر گھر بنانے کے لئے پہلے اس کو ہموار کیا جاتا تھا۔ اہل مغرب نے اونچے نیچے مقامات کو اسی طرح استعمال کرتے ہوئے ایک نیا اور دلکش طرز تعمیر ایجاد کیا جس کی ایک کامیاب مثال نیشنل ایڈمنسٹریٹیو اکیڈمی کی عمارتیں ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

مسوری ایک پہاڑی مقام ہے جو یوپی کے ضلع دہرہ دون میں واقع ہے۔ مسوری کو عوامی زبان میں منسوری کہا جاتا ہے۔ یہاں پہلے اس نام کا ایک معمولی گاؤں تھا۔ اس کے بعد برٹش دور میں ایک انگریز کیپٹن ینگ (Captain Young) نے اس کی اہمیت کو محسوس کیا اور ۱۸۲۶ میں اس نے پہلی بار یہاں برٹش آبادی قائم کی۔ اس کے بعد سے اس کا نام مسوری ہو گیا۔

اس کے بعد وہاں ترقیاتی کام شروع ہوئے۔ سڑکیں بنائی گئیں۔ اسکول اور لائبریری اور کلب بنائے گئے۔ یہاں پہلا اینگلکن چرچ ۱۸۳۷ میں تعمیر کیا گیا۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے چھ ہزار فٹ کی بلندی پر ایک پورا شہر قائم ہو گیا۔

مسوری کو نہایت خوبصورت مقام سمجھا جاتا ہے لیکن اگر آپ مسوری شہر میں داخل ہو کر اس کی سڑکوں پر چل رہے ہوں تو وہ عام شہروں جیسا ایک شہر دکھائی دے گا۔

انگریزوں کے آنے سے پہلے بھی یہ پہاڑی مقامات(hill stations) موجود تھے مگر ان کو develop کرنے کا کام انگریزوں نے کیا۔ عام لوگ غالباً یہ سوچتے ہوں گے کہ سڑک تو صرف سیدھی بنائی جا سکتی ہے اور چونکہ پہاڑ پر سیدھی سڑک نہیں بنائی جا سکتی اس لئے اس کو استعمال کرنے کا خیال بھی ان کے دماغ میں نہ آیا۔ انگریزوں نے ہندستان میں غالباً پہلی بار پہاڑوں پر چڑھنے کے لئے چکردار سڑک بنانے کا رواج شروع کیا جو سلوپ(slope) کو کاٹ کر اور ہموار کر کے بنائی جاتی ہے۔ اس طرح انگریز چکردار سڑکیں بنا کر پہاڑ کے اوپر پہنچے اور اس کے اوپر ایک خوبصورت شہر آباد کر دیا اور پر کشش تفریح گاہیں بنائیں۔

مسوری اور اس کے آس پاس کا پہاڑی علاقہ ۱۹ویں صدی کے آغاز تک نیپال کا ایک مضافاتی حصہ تھا۔ اس کے بعد برٹش فوجیں ۱۸۰۱ میں گورکھپور تک پہنچ گئیں۔ برٹش فوجوں نے جب مزید آگے بڑھنا چاہا تو ان کی جھڑپیں نیپال کے گورکھا قبائل سے شروع ہو گئیں۔ یہ سلسلہ دیر تک قائم رہا۔ ۱۸۱۶ میں انگریزی فوجوں نے مکوان کے مقام پر نیپالی فوجوں کو آخری شکست دی۔ اس کے بعد انگریزوں اور نیپالی حکومت کے درمیان ایک اگریمنٹ کے تحت اس پورے علاقہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا جس میں مسوری بھی شامل تھا۔

مسوری اور اس کے آس پاس کے پہاڑی علاقوں کی اہمیت ہل اسٹیشن کے علاوہ انگریزوں کے لئے یہ تھی کہ وہ اس کے ذریعہ سنٹرل ایشیا سے اپنے تعلقات کو قائم کر سکتے تھے:

They obtained greater facilities for communications with the regions of central Asia.

اگر بہادری کے اعتبار سے تقابل کیا جائے تو گورکھا قبائل انگریزوں سے زیادہ بہادر تھے۔ مگر دونوں میں یہ فرق تھا کہ گورکھا لوگ صرف روایتی ہتھیاروں اور روایتی طریقوں سے تھے۔ جب کہ انگریزی فوج جدید ٹکنالوجی اور بہتر فوجی پلاننگ کی مالک ہو چکی تھی۔ اس

بہادرانہ ٹکراؤ کے باوجود گورکھا فوج کو انگریزوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ تاہم اس کامیابی کے بعد انگریزوں نے گورکھا کو دشمن کے روپ میں دیکھنے سے زیادہ ان کو ان کی غیر معمولی جنگی صلاحیت کے اعتبار سے دیکھا۔ چنانچہ بعد کو انھوں نے گورکھا قبائل سے تعلقات بڑھا کر ان کو اپنی فوج میں شامل کرلیا۔ گورکھا رجمنٹ آخر وقت تک انگریز فوج کا اہم حصہ بنی رہی۔

ایک بنگالی پروفیسر سے ملاقات ہوئی۔ وہ رابندر ناتھ ٹیگور کو قریب سے جانتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ٹیگور شانتی نکیتن میں روزآنہ صبح کو سورج کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے لئے جوس کا ایک گلاس لایا جاتا تھا جس کو وہ روزآنہ پیتے تھے۔ اس وقت اکثر اسٹوڈنٹ وغیرہ ان کے پاس جمع ہوجاتے تھے۔ ان لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ ٹیگور تنہا جوس پی لیتے ہیں ہم لوگوں کو کبھی آفر نہیں کرتے۔

ایک روز ایک طالب علم نے یہ بات ٹیگور سے کہہ دی کہ آپ اکیلے جوس پی لیتے ہیں اور ہم لوگوں کو کبھی آفر نہیں کرتے۔ ٹیگور نے ایک چمچہ جوس گلاس سے نکالا اور طالب علم سے کہا کہ اس کو چکھو۔ طالب علم نے جب اس کو منھ میں ڈالا تو وہ اتنا کڑوا تھا کہ وہ اس کو پی نہ سکا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی پھل کا جوس نہیں ہوتا بلکہ کریلے کا جوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد لوگ مطمئن ہوگئے۔

کریلا بعض سخت امراض کے لئے بے حد مفید ہے۔ اگر کوئی شخص کچا کریلا روزآنہ کھائے تو اس کو ذیابیطس وغیرہ جیسی بیماریاں نہیں ہوں گی۔ حال میں امریکہ کی بعض کمپنیوں نے اسی لئے کریلا اور جامن جیسی کچھ مفید چیزوں کو اپنے لئے پیٹنٹ کرالیا ہے۔

یہاں کی اکیڈمی میں ایک بہت عمدہ لائبریری ہے۔ جس میں نہ صرف اردو زبان کی کافی کتابیں موجود ہیں بلکہ اسلام پر اتنا زیادہ لٹریچر موجود ہے کہ آدمی ان کا مطالعہ کرکے اسلام کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرسکتا ہے۔ یہاں پرسکون ماحول میں بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کرنے کا مکمل ماحول ہے۔ مزید یہ معلوم ہوا کہ کتابوں کا یہ وسیع ذخیرہ دہرہ دون کے ایک ہندو

مسٹر پی کے جین نے اپنے ذاتی کتب خانہ کے لئے جمع کیا تھا۔ انھوں نے اپنی آخری عمر میں اس پورے ذخیرہ کو اکیڈمی کی لائبریری کو بطور عطیہ دے دیا۔

اس لائبریری کو دیکھتے ہوئے خیال آیا کہ کیسا عجیب زمانہ تھا جب اس ملک میں اردو، فارسی، عربی کا اتنا زیادہ رواج تھا کہ غیر مسلم حضرات بھی ان زبانوں کو سیکھتے تھے اور ان زبانوں میں جو لٹریچر ہے ان کا مطالعہ کرتے تھے۔ اس طرح اسلام کے عمومی تعارف کا کام کسی براہِ راست دعوتی مہم کے بغیر اپنے آپ جاری تھا۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کی وہ قومی تحریکیں بلاشبہہ جرم کی حیثیت رکھتی ہیں جنھوں نے اس فضا کو برہم کر کے اس کی جگہ نفرت اور تشدد کا ماحول قائم کر دیا۔

ایک روز ہم لوگوں کی غیر رسمی میٹنگ تھی۔ اس میں اکیڈمی کے ڈپٹی ڈائرکٹر کی تین سالہ بچی اپنے بھائی کے ساتھ آگئی۔ اس کا نام یونیکا تھا۔ لوگ اس کی باتوں میں دلچسپی لینے لگے۔ ایک صاحب نے اپنی جیب سے دو ٹافی نکالی اور اس کو دیتے ہوئے کہا کہ ایک تمہارے لئے ہے اور ایک تمہارے بھائی کے لئے۔ یونیکا ٹافی لے کر خوش خوش اپنے بھائی کے پاس گئی اور پھر یہ کہتے ہوئے دونوں ٹافی خود لے لی کہ بھائی کا دانت خراب ہو جائے گا۔

میں نے سوچا کہ ذاتی انٹرسٹ کے معاملہ میں ہر آدمی کتنا زیادہ ہوشیار ہوتا ہے، حتی کہ چند سال کا ایک چھوٹا بچہ بھی۔ ذاتی انٹرسٹ کا جذبہ بلاشبہہ انسان کے اندر سب سے زیادہ طاقتور جذبہ ہے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہو تو دنیا کی تمام سرگرمیاں ٹھپ ہو کر رہ جائیں۔ تاہم وہ ایک آزمائش بھی ہے۔ آدمی اگر ذاتی معاملہ میں کچھ ہو اور دوسروں کے معاملہ میں کچھ اور بن جائے تو آخرت کی عدالت میں اس سے پوچھا جائے گا کہ جب اپنے انٹرسٹ کے معاملہ میں تم اتنا زیادہ ہوشیار تھے تو دوسروں کے انٹرسٹ کے معاملہ میں تم اتنا زیادہ نادان کیوں بن گئے۔

ذاتی انٹرسٹ کا طاقتور جذبہ آدمی کے لئے نہایت مفید چیز ہے مگر اسی کے ساتھ وہ امتحان کا ایک پرچہ بھی ہے۔

مسوری کے اس سمینار میں پوری کارروائی انگریزی میں ہوئی۔ مجھے ۲۶ جولائی کی دوپہر

کو تقریر کرنے کا موقع ملا۔ سبجکٹ کے مطابق میں نے کنورژن اور اسلام کے موضوع پر خطاب کیا۔ میری تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کنورژن کے دو مطلب ہیں۔ ایک ہے کسی دنیوی مقصد کے لئے مذہب بدلنا۔ اس قسم کا کنورژن اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ ہجرت کے موقع پر ایک شخص نے مکہ سے مدینہ کی طرف اس لئے ہجرت کی کہ اس کو مدینہ کی ایک خاتون سے نکاح کرنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عورت سے نکاح کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کے لئے تھی جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

کنورژن کی دوسری قسم جس کو اسلام پسند کرتا ہے وہ سچائی کی دریافت کے ہم معنی ہے۔ جب آدمی اس لئے اپنا مذہب بدلے کہ اس نے اس مذہب میں سچائی کو دریافت کیا ہے تو ایسی حالت میں مذہب کو بدلنا عین فطری چیز ہے۔ اس قسم کا کنورژن سادہ طور پر کنورژن نہیں ہوتا بلکہ وہ انٹلکچول ٹرانسفارمیشن (intellectual transformation) یا ذہنی ارتقاء کے ہم معنی ہوتا ہے۔

اس کے بعد میں نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا تعارف کرایا اور یہ بتایا کہ اسلام امن اور رحمت اور اخوت انسانی کا مذہب ہے۔ مسلمان اگر اس کے خلاف کریں تو اس کی ذمہ داری مسلمان پر ہوگی نہ کہ اسلام پر۔ آپ کو چاہئے کہ مسلمانوں کے عمل کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جانچیں۔ آخر میں سوال و جواب کا وقفہ تھا۔ لوگوں نے اسلام کے بارے میں کئی سوالات کئے۔ اس کا میں نے جواب دیا۔ لوگوں کے تاثر سے معلوم ہوا کہ وہ ان جوابات پر مطمئن ہوئے۔

یہاں حاضرین سب کے سب ہندو نوجوان تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو I A S کے امتحان میں پاس ہوتے ہیں۔ اس اکیڈمی میں ان کو پروفیشنل ٹریننگ کے لئے مختصر مدت تک کے لئے بلایا جاتا ہے۔

ایک سوال یہ تھا کہ اسلام میں کیوں ایسا مانا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام آخری پیغمبر ہیں۔ ان کے بعد کوئی دوسرا پیغمبر آنے والا نہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے میں نے کہا کہ یہ صرف عقیدہ کی

بات نہیں بلکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ پیغمبر اسلام نے یہ اعلان کیا تھا کہ میں خدا کا آخری پیغمبر ہوں۔ میرے بعد کوئی اور پیغمبر نہیں آئے گا۔ آپ کے یہ الفاظ آپ کے بعد تاریخ کا حصہ بن گئے۔ چنانچہ آپ کے بعد کوئی بھی شخص پیدا نہیں ہوا جو یہ دعوی کرے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔

آج ۲۵ جولائی ۱۹۹۹ تک آپ کا یہ قول ایک تاریخی حقیقت بنا ہوا ہے۔ آپ کو ایسا کہے ہوئے چودہ سو سال ہو گئے مگر ابھی تک دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جو یہ کہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ انھوں نے کہا کہ رام کرشنا پرم ہنس نے کہا تھا کہ میں نے خدا کو دیکھا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں خود بھی یہ کہتا ہوں کہ میں نے خدا کو دیکھا ہے۔ یہ قول مجازی معنوں میں ہوتا ہے۔ مگر یہ کہنا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں بالکل دوسری بات ہے اور جب کسی نے ایسا دعوی نہیں کیا تو پیغمبر اسلام کا یہ اعلان اپنے آپ قائم ہے۔ اس کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ مذہب سب پاکھنڈ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے کبیر داس کا ایک دوہا سنایا جس میں انھوں نے ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے مذہبی رسوم کا مذاق اڑایا ہے۔ اسلام کے بارے میں انھوں نے یہ کہا ہے:

کا کر پاتھر جوڑ کر مسجد گئی چنائے

تا چڑھ ملا بانگ دے

کیا بہرا ہوا خدائے

میں نے کہا کہ جہاں تک ہندو دھرم کا سوال ہے تو ہندو مذہب کے نمائندے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں وہ اس کا جواب دیں گے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو کبیر کو اذان کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ انھوں نے اپنے دوہے میں جو کچھ کہا ہے اس کا سبب ان کی ناواقفیت ہے نہ کہ اذان کی حقیقت۔

میں نے کہا کہ مسجد کا ملا (موذن) جو بانگ یا اذان دیتا ہے اس میں وہ خدا کو نہیں پکارتا۔ خدا کو دعا میں پکارتے ہیں نہ کہ اذان میں۔ اذان میں مسجد کے آس پاس رہنے والے مسلمانوں کو پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ اذان میں یہ الفاظ بھی ہوتے ہیں کہ: حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح۔

Come to the mosque for prayer.

اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ جس پکار کا خطاب انسان سے تھا اس کو انھوں نے خدا کے ساتھ جوڑ دیا۔ اکثر غلط فہمیوں کا سبب یہی ہوتا ہے۔ لوگ کہیں کی بات کہیں جوڑ دیتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک سیدھی بات کا عجیب و غریب طور پر الٹا مطلب نکال لیتے ہیں۔

ایک سوال یہ تھا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کو مسلمانوں سے الگ کر کے دیکھو۔ ایسا کیوں کر ممکن ہے۔ ہم تو دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ آپ کا یہ اصول استثنائی طور پر صرف اسلام کے لئے نہیں ہو سکتا۔ پھر یہی اصول آپ کو ہر جگہ ماننا پڑے گا۔ مثلاً ہندستان کا ایک دستور ہے۔ اسی کے ساتھ ہندستان میں ایک سماج آباد ہے جس کو ہندستانی سماج کہا جاتا ہے۔ آپ ایسا نہیں کرتے کہ دستور اور سماج دونوں کو ایک سمجھ لیں۔ اس کے برعکس آپ دستور کو معیار کا درجہ دیتے ہیں۔ اور ہندستانی سماج کو اسی معیار کی روشنی میں جانچتے ہیں۔ اگر آپ دونوں میں فرق نہ کریں تو یہ ہوگا کہ جو ہندستانی سماج کے لوگ کریں گے وہی دستور اور قانون سمجھا جانے لگے گا۔ آپ ملکی دستور اور ملکی سماج کو الگ الگ کر کے دیکھتے ہیں۔ یہی طریقہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بھی آپ کو اختیار کرنا چاہئے۔

ایک سوال یہ تھا کہ مسلمانوں کا ماننا یہ ہے کہ اسلام مذہب سب سے زیادہ سچا مذہب ہے۔ اس کے برعکس ہندوؤں کا ماننا یہ ہے کہ ہر مذہب میں سچائی ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہندوؤں کے فارمولے کو اپنا لیں کیوں کہ اس کے بغیر مختلف مذاہب کے درمیان اتحاد قائم نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنے جواب میں کہا کہ مختلف مذاہب کا امتزاج (amalgamation) اتحاد کا فارمولا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اختلاف فطرت میں شامل ہے۔ اس لئے وہ کسی حال میں ختم نہیں ہو سکتا۔ یہی

وجہ ہے کہ ہر مذہب میں خود اس کے اندر طرح طرح کے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اگر بالفرض آپ تمام مذہبوں کو ملا کر ایک مذہب بنا دیں تب بھی اختلاف باقی رہے گا۔

اصل یہ ہے کہ مذہبی اتحاد کا صحیح فارمولا باہمی اعتراف (mutual recognition) نہیں ہے بلکہ اس کا صرف ایک فارمولا ہے اور وہ باہمی احترام (mutual respect) ہے۔ اسلام نے اسی باہمی احترام کے فارمولے پر زور دیا ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ جس ڈھنگ سے اسلام کو پیش کرتے ہیں اس سے ہم کو اختلاف نہیں مگر دوسرے کئی لوگ اسی اسلام کو دوسرے ڈھنگ سے پیش کرتے ہیں پھر ہم کس کی بات کو سچا سمجھیں۔ میں نے کہا کہ آپ یہ نہ دیکھیں کہ میں نے کیا کہا اور دوسرے نے کیا کہا۔ بلکہ یہ دیکھئے کہ اسلام کی مقدس کتاب قرآن میں کیا کہا گیا ہے۔ آپ قرآن کا ایک نسخہ لیں اور اپنے ذہن کو خالی رکھ کر اس کو پڑھیں۔ مجھے پکا یقین ہے کہ آپ قرآن کے مسیج کو پالیں گے۔

میری تقریر کا خدا کے فضل سے بہت اچھا اثر ہوا۔ تمام لوگوں نے بہت غور سے سنا اور اس کا اعتراف کیا۔ میں نے اپنی تقریر میں اسلام کی کھلی وضاحت کی تھی۔ لیکن کسی نے بھی منفی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک مطمئن نظر آیا۔ ادارہ کے ڈپٹی ڈائرکٹر سنجیو چوپڑا نے کہا: ”آپ کی اسپیچ کے دوران پن ڈراپ سائلنس تھا۔ اس طرح کسی کو بھی نہیں سنا گیا“۔ اسی طرح کے تاثر کا دوسرے لوگوں نے بھی اظہار کیا۔ کئی لوگوں نے کہا کہ میں آپ کے اسلامک سنٹر میں آؤں گا۔ کئی لوگوں نے اسلام کے مطالعہ کی خواہش ظاہر کی اور قرآن کا ترجمہ طلب کیا۔

اس ادارہ کے موجودہ ڈائرکٹر مسٹر سنجیو چوپڑا ہیں۔ یہ ایک مرکزی ادارہ ہے جو IAS اور IPS میں پاس شدہ نوجوانوں اور افسران کی پروفیشنل ٹریننگ کے لئے ۱۹۵۹ میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کی عمارتیں نہایت خوبصورت انداز میں تعمیر کی گئی ہیں۔ اور چاروں طرف کے سرسبز ماحول نے اس کو اور بھی پرکشش بنا دیا ہے۔

خطاب کے وقت وسیع ہال پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ یہ سب کے سب وہ لوگ تھے جو آئی

اے ایس کا امتحان پاس کر چکے ہیں اور اب جلد ہی کوئی بڑا انتظامی عہدہ سنبھالنے والے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو عملاً کلکٹر یا کمشنر کے عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ اور یہاں وقتی طور پر بطور استاد بلائے گئے تھے۔ یہ میرے لئے ایک بڑا خوشگوار تجربہ تھا کہ مجھ کو ایسے ذمہ دار حضرات کے سامنے خطاب کرنے کا موقع ملا۔ پروگرام کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ آپ نے اسلام کی نسبت سے جو باتیں کہیں وہ بہت قیمتی تھیں کیوں کہ اس سے لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہوئی ہیں۔ اور اگر آپ اعلیٰ انتظامی عہدیداروں کی غلط فہمیاں دور کر دیں تو کتنے مسائل اپنے آپ حل ہو جائیں گے۔

یہ "انٹر فیتھ ڈائلاگ" اکیڈمی کے وسیع ہال میں ہوا۔ سامعین تقریباً سب کے سب ہندو تھے۔ میری تقریر کے بعد کئی لوگوں نے کہا کہ آپ کی تقریر سن کر ہمارے اندر یہ جذبہ ابھرا ہے کہ ہم اسلام کا مطالعہ اور یجنل سورسز سے کریں۔ ایک تعلیم یافتہ ہندو خاتون مادھوری سنتنم سوندھی نے واپسی کے بعد اپنے خط مورخہ ۲ اگست ۱۹۹۹ میں لکھا ہے کہ آپ کی تقریر سننے کے بعد میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا ہے:

I have begun to read the Quran with some attention after listening to your speech.

۲۵ جولائی کی شام کو مسوری سے واپسی ہوئی، مسوری میں یہ بارش کا زمانہ تھا لیکن اللہ کے فضل سے پورے دوران قیام میں موسم بہت اچھا رہا۔ مسوری سے واپس ہو کر بذریعہ کار ہم لوگ دہرہ دون پہنچے۔ شام کا وقت ہونے کی وجہ سے چاروں طرف کہر پھیل گیا تھا جس نے قدرتی مناظر کو اپنے اندر ڈھک لیا تھا۔

لینن نے لکھا ہے کہ مذہبی اور اخلاقی تصورات ذہن کو کہر آلود کرنے (befogging of the mind) کا سبب بنتے ہیں۔ لینن کی بات مذہب کے بارے میں درست نہیں۔ لیکن بجائے خود یہ بات درست ہے کہ، خاص طور پر موجودہ زمانہ میں، غلط تعبیرات و تشریحات گہرے کہر کی طرح پھیل گئی ہیں کہ لوگ اس سے باہر آکر چیزوں کو ان کے اصل روپ میں دیکھ نہیں

پاتے۔ مادی کہر قدرتی مناظر کو ڈھک لیتا ہے اور غلط افکار کا کہر معانی اور حقائق کو۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ سفر کرکے ہم لوگ دہرہ دون ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ یہاں کچھ دیر ویٹنگ روم میں قیام کیا۔ یہاں پروفیسر این ایچ سمتانی سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ وہ ایک بدھسٹ ہیں اور انھوں نے بدھزم پر ریسرچ کی ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اب وہ سنٹر فار مہایانا بدھسٹ اسٹڈیز کے اعزازی ڈائرکٹر ہیں۔ ۷۵ سال کی عمر میں بھی ان کی صحت کافی اچھی ہے۔ اس کا راز انھوں نے یہ بتایا کہ وہ روزآنہ جنگل میں دیر تک ٹہلتے ہیں اور روزانہ صبح کو نیم کی پتی (پھنگی) کھاتے ہیں۔

ہندستان میں کریلا اور نیم کی پتی وغیرہ بہت عرصہ سے صحت کے لئے مفید سمجھے جاتے رہے ہیں۔ اب امریکنوں نے اس راز کو دریافت کر لیا ہے۔ انھوں نے کریلا اور نیم جیسی کئی چیزوں کو پیٹنٹ کرالیا ہے۔ بہت جلد ان چیزوں کا روایتی کڑواپن ختم ہو جائے گا۔ امریکی کمپنیاں ان کو پراسس کرکے کیپسول میں بھر دیں گی اور پھر لوگ اس کو پانی کے ایک گھونٹ سے نگل لیا کریں گے۔ کریلا اور نیم کے فائدے کو جاننے کے باوجود ابھی تک بہت کم لوگ ان کو استعمال کر پاتے تھے۔ اب ان کا استعمال عمومی سطح پر ہونے لگے گا۔

۲۶ جولائی کی رات کو مسوری اکسپریس کے ذریعہ دہلی کے لئے روانگی ہوئی۔ اس سفر میں کئی لوگ میرے ساتھ تھے۔ ڈاکٹر ڈے مطالعہ کے اتنے شوقین ہیں کہ انھوں نے دہرہ دون کے پلیٹ فارم پر ۴۰۰ روپئے میں دو کتابیں خریدیں۔ وہ ہر قسم کی کتابوں کا بکثرت مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کی عمر اب ۷۵ سال ہو چکی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بہت کتابیں پڑھی ہیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں کے سفر کئے ہیں۔ اپنی کوئی خاص ذہنی دریافت (intellectual finding) بتائیے۔ انھوں نے کچھ دیر سوچا اور اس کے بعد ٹیگور کا ایک شعر پڑھ دیا۔ میں نے کہا کہ میں ٹیگور کی دریافت نہیں، آپ کی دریافت پوچھ رہا ہوں۔ مگر انھوں نے اپنی کوئی ذاتی دریافت نہیں بتائی۔

یہ سوال میں اکثر لوگوں سے کرتا ہوں۔ مگر مجھے بہت کم آدمی ایسے ملے جو اس سوال کا

کوئی واضح جواب دے سکیں۔ احمد دیدات صاحب سے میری ملاقات مالدیپ میں ہوئی۔ ان سے میں نے یہی سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ سب موشگافی (hairsplitting) ہے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ سیکڑوں کتابیں پڑھتے ہیں اور لمبی عمریں گزار دیتے ہیں مگر ان کے پاس یہ کہنے کے لئے نہیں ہوتا کہ فلاں بات میری اپنی دریافت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فلاں بات پہلی بار میرے اوپر منکشف ہوئی۔

جاپانیوں سے یہ سوال کیا جائے تو اکثر ان سے اس سوال پر کوئی مثبت جواب ملے گا۔ جاپانیوں کے مزاج کا اندازہ جاپانی زبان کی اس کہاوت سے ہوتا ہے کہ ہر روز کوئی نئی بات سیکھو، خواہ وہ سوئی میں دھاگہ ڈالنے کا نیا طریقہ ہی کیوں نہ ہو۔

ٹرین دہرہ دون سے دہلی کے لئے روانہ ہوئی۔ ٹرین کے دونوں طرف دوبارہ سر سبز میدان موجود تھے۔ مگر وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اس لئے کہ رات کی وجہ سے چاروں طرف اندھیرا چھا چکا تھا۔ کسی چیز کو دیکھنے کے لئے صرف آنکھ کافی نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ روشنی بھی ضروری ہے۔ اگر روشنی نہ ہو تو آنکھ کے باوجود آدمی کچھ دیکھ نہ سکے گا۔

دہرہ دون اور دہلی کے درمیان سفر کرتے ہوئے ٹرین میں پروفیسر سمتانی سے تفصیلی باتیں ہوئیں۔ وہ بنارس ہندو یونیورسٹی میں بدھزم کے استاد رہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ گوتم بدھ نے کہا تھا کہ میرے بعد ایک اور بدھا آئے گا جو تم کو اور زیادہ جانکاری دے گا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے عقیدے کے مطابق وہ آچکا ہے اور وہ اسپرٹ کے روپ میں موجود ہے۔ مجھے یہ بات بہت عجیب لگی کیوں کہ پیشین گوئی کے مطابق دوسرے بدھا کو بھی جسم اور روح کا مجموعہ ہونا چاہئے نہ کہ صرف روح کا مجموعہ۔

ایک موقع پر انھوں نے بدھزم پر ایک کتاب کی نشاندہی کی اور کہا کہ بدھزم کے مطالعہ کے لئے یہ کتاب بہت اچھی ہے۔ میں نے کہا کہ اس کتاب کا نام اور اس کے مصنف کا نام ایک کاغذ پر لکھ دیجئے۔ انھوں نے اپنے بیگ سے قلم نکالنا چاہا تو وہ فوراً انھیں نہیں ملا۔ کچھ دیر تلاش کرنے

کے بعد آخر کار قلم انھیں مل گیا۔ اس موقع پر ان کی زبان سے نکلا کہ قلم کا گم ہو جانا گویا ہر چیز کا گم ہو جانا ہے۔

When pen is lost everything is lost

قلم بلاشبہہ انسان کے لئے بے حد اہم ہے۔ اس لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ علم بالقلم۔ اللہ نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔

ٹرین کے ذریعہ یہ سفر تقریباً ۹ گھنٹہ کا تھا۔ کچھ دیر کے بعد نیند آ گئی۔ اس کے بعد جب نیند کھلی تو ٹرین دہلی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ نیند کیسی عجیب نعمت ہے۔ نیند مشکل کو آسان بناتی ہے اور لمبے سفر کو مختصر کر دیتی ہے۔ تاہم وہ آج بھی فطرت کا ایک راز ہے۔ جدید دور میں اہل علم نے اس موضوع پر کافی ریسرچ کی ہے مگر وہ اس کی کوئی توجیہ ابھی تک دریافت نہ کر سکے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ "خدا نے نیند کو تمہاری تکان رفع کرنے کے لئے بنایا ہے" (النبا ۹)۔ اس اعتبار سے نیند ایک عظیم نعمت ہے۔ انسان دن بھر کام کرتا ہے۔ جس میں اسے ذہنی اور جسمانی تکان آجاتی ہے۔ اس تکان کو دور کرنے کا فطری طریقہ اللہ تعالیٰ نے نیند کی صورت میں پیدا فرمایا۔ اگر نیند نہ ہو تو کسی بھی دوسرے ذریعہ سے آدمی یہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ جنھیں مستقل نیند نہیں آتی وہ پاگل ہو جاتے ہیں۔

۲۷ جولائی ۱۹۹۹ کو صبح تقریباً ۸ بجے ہماری ٹرین دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر کھڑی ہو گئی۔ سفر اپنے اختتام تک پہنچ گیا۔ اسی طرح ہر سفر ایک مقام سے شروع ہو کر دوسرے مقام پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ آخرت کا بھی ہے۔ ہر آدمی صبح و شام اس سفر کو طے کر رہا ہے۔ موت اس سفر کا خاتمہ ہے۔ موت کے بعد جو دوسرا سفر شروع ہوتا ہے، اس کے بارے میں موجودہ دنیا میں کسی کو بھی کچھ نہیں معلوم۔ ایک مصنف کے الفاظ میں، کتاب زندگی کے اگلے ورق سر بمہر ہیں۔

سوال

ستمبر ۱۹۹۹ کے اردو الرسالہ کے صفحہ ۴۶ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "۱۹۹۲ میں بابری مسجد کے ڈھائے جانے سے پہلے اس وقت کے وزیر اعظم نرسمہاراؤ نے مجھے بابری مسجد کے بارے میں بات چیت کے لئے بلایا تھا۔ پرائم منسٹر ہاؤس، نئی دہلی میں جب ان سے میری ملاقات ہوئی تو میں بے اختیار رو پڑا۔ میں نے کہا کہ بابری مسجد کو بچانے سے بھی بڑا مسئلہ ملک کو بچانا ہے۔" میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ حضرت ملک کے وزیر اعظم کے سامنے مسجد کو بچانے کے لئے نہیں مسلمانوں کو بچانے کے لئے نہیں بلکہ ملک کو بچانے کے لئے رو پڑے۔ ایک داعی کے لئے جس پر دنیا بھر کے لوگوں کی نظر لگی ہوئی ہو یہ بات کہنا دعوت کے لئے بہت مضر ہے۔ لوگ اس کو لے کر چہ مگوئیاں کر رہے ہیں۔ أحب البلاد الى الله مساجدها حدیث میں آیا ہے۔ آپ حضرت ملک کے لئے روتے ہیں لیکن مسجد کے لئے یا مسلمانوں کے لئے یہ رونا نہیں۔ کسی بھی پیغمبر سے اس طرح کا رونا ملک کے لئے ثابت نہیں۔ (محمد اکرم الزہری، سلالہ، سلطنت عمان)

جواب

مذکورہ حدیث کا حوالہ یہاں غیر متعلق ہے۔ یہ حدیث تفصیل کے ساتھ صحیح ابن حبان (جلد اول) میں آئی ہے۔ صحیح مسلم (کتاب المساجد) میں اس کے پورے الفاظ یہ ہیں: احب البلاد الی الله مساجدها وابغض البلاد الى الله اسواقها (اللہ کے نزدیک شہروں میں سب سے محبوب جگہ اس کی مسجدیں ہیں اور اللہ کے نزدیک شہروں میں سب سے مبغوض جگہ اس کے بازار ہیں)۔ اس حدیث میں جو تقابل ہے وہ مساجد اور بلاد کے درمیان نہیں ہے بلکہ وہ مساجد اور اسواق کے درمیان ہے۔ امام نووی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: المساجد محل نزول الرحمة والاسواق ضدها (صحیح مسلم بشرح النووی ۵/۱۷۱) یعنی مسجدیں اللہ کی رحمت کے نزول کا مقام ہیں اور بازار اس کا ضد ہیں۔ عجیب بات ہے کہ لوگوں نے اس حدیث سے بلاد کے مبغوض ہونے کا مسئلہ نکال لیا۔ حالاں کہ اس حدیث میں جس چیز کے مبغوض ہونے کا

مسئلہ بیان کیا گیا ہے، وہ اسواق ہیں، یعنی شاپنگ اور مارکیٹنگ کا تباہ کن شوق جس میں آج دنیا بھر کے مسلمان مرد اور مسلمان عورت بری طرح بتلا ہیں۔ دوسری بات یہ کہ میری مذکورہ گفتگو کا تعلق عمومی معنوں میں مساجد کے بارے میں نہیں تھا بلکہ وہ خصوصی طور پر صرف ایک مسجد کے بارے میں تھا جو لمبے عرصے سے ہندستان کے دو بڑے فرقوں کے درمیان نزاعی بنی ہوئی تھی۔ کچھ خود ساختہ لیڈروں نے اس مسجد کے سوال پر انتہائی غیر حکیمانہ رویہ اختیار کر کے دونوں فرقوں کے درمیان نفرت اور تشدد کو بھڑکا دیا۔ جس کا سب سے زیادہ برا خمیازہ فطری طور پر خود مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ نیز اس کے نتیجہ میں جو باہمی تلخی پیدا ہوئی اس نے ملک میں دعوت کے ماحول کو بگاڑ دیا۔ میں نے چاہا کہ اس کشیدگی کو ختم کر کے دوبارہ یہاں امن کی فضا اور دعوت کا ماحول قائم کروں۔ آپ نے لکھا ہے کہ "کوئی پیغمبر ملک کے لئے نہیں رویا"۔ جب میں نے وزیر اعظم سے کہا کہ ملک کو بچائیے تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ یہاں کی زمین اور پہاڑ کو بچائیے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ ملکی سماج کو تشدد سے بچائیے اور یہاں امن قائم کیجئے۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اگر اس ملک میں امن قائم ہو تو اس کا فائدہ کس کو ملے گا ــــ چھری کو یا خربوزہ کو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں میرا مسلک عین وہی تھا جو تمام دنیا کے علماء نے اس طرح کے حالات میں عملاً اختیار کر رکھا ہے۔ ہندستان میں ۱۹۴۷ کی تقسیم کے وقت سیکڑوں مسجدوں کا وہی انجام ہوا جو ۱۹۹۲ میں بابری مسجد کا ہوا۔ مگر ہندستانی علماء نے ان مساجد کو اشو نہیں بنایا بلکہ ملک و قوم کے تحفظ کو اشو بنایا۔ پاکستان (لاہور) میں برٹش حکومت کے دور میں مسجد شہید گنج کو ڈھانے کا واقعہ پیش آیا۔ اور سکھوں نے اس کو گوردوارہ کی حیثیت دے دی۔ آج بھی اس مقام پر "گوردوارہ سنگھیاں" کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ ۱۹۴۷ میں پاکستان بن گیا اور یہاں کا اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا مگر اس کے بعد تمام پاکستانی علماء اپنے اپنے انداز میں ملک کی تعمیر میں لگ گئے۔ کسی نے اس مسجد کا اشو نہیں اٹھایا۔ اسی طرح موجودہ زمانے میں تقریباً تمام عرب ملکوں میں سیکڑوں کی تعداد میں مسجدیں ڈھائی گئی ہیں۔ اور یہ سب شہری ترقی کے مقصد کے تحت ہوا۔ اب تمام دنیا کے علماء اور ان کے متعلقین

انھیں عرب ممالک میں جارہے ہیں تاکہ ان شہروں کی ترقی میں اپنا حصہ لے سکیں۔ انھوں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ پہلے تمام ڈھائی ہوئی مسجدوں کو ان کی سابق جگہ پر دوبارہ تعمیر کرو، اس کے بعد ہم تمہارے ملکوں میں آئیں گے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بابری مسجد (اجودھیا) کے معاملہ میں جو مسلک میں نے اختیار کیا وہ عین وہی تھا جو عقل اور شریعت کا تقاضا ہے۔ بابری مسجد کے سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ وہ عام مسجدوں کی طرح ایک مسجد نہیں۔ بلکہ آغاز ہی سے وہ ایک نزاعی مسجد کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور کسی بھی نزاعی معاملہ میں عقل اور شریعت دونوں کا تقاضا ہے کہ اس کو حکمت اور تدبر کے ذریعہ حل کیا جائے نہ کہ غوغا آرائی کے ذریعہ۔ بابری مسجد کی مخصوص حیثیت کو بتانے کے لئے یہاں میں صرف ایک حوالہ نقل کرتا ہوں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے والد (مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب) کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے ''ہندستان اسلامی عہد میں''۔ وہ ۱۹۷۲ میں (عربی میں) حیدرآباد سے اور ۱۹۷۳ میں (اردو میں) لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے ساتھ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایک مبسوط مقدمہ شامل ہے۔ اس میں انھوں نے اس کتاب کے بارے میں یہ الفاظ درج کئے ہیں: ''ہم اہل ملک کے سامنے یہ قیمتی تحفہ اور تاریخی دستاویز پیش کرتے ہوئے مسرت محسوس کررہے ہیں۔'' (صفحہ ۲۴) اس کتاب کے ایک باب کا عنوان ہے ''ہندستان کی مسجدیں''۔ اس باب میں ''بابری مسجد اجودھیا'' کے ذیلی عنوان کے تحت یہ سطریں درج ہیں: ''یہ مسجد بابر نے اجودھیا میں تعمیر کی تھی، جسے ہندو رام چندر جی کی جائے ولادت کہتے ہیں، ان کی بیوی سیتا کا ایک واقعہ مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ سیتا کا یہاں ایک مندر تھا، جہاں وہ رہتیں اور اپنے شوہر کے لئے کھانا پکاتی تھیں، اسی جگہ بابر نے ۹۲۳ھ میں یہ مسجد تعمیر کی۔'' (صفحہ ۱۴۱) حقیقت یہ ہے کہ بابری مسجد کا مسئلہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک انتہائی نازک مسئلہ تھا۔ لازم تھا کہ اس معاملہ میں خاموش تدبیر کا انداز اختیار کیا جائے۔ ۱۹۴۷ کے بعد ابتدائی دور میں ملک کے بڑے علماء نے ایسا ہی کیا۔ بعد کے زمانے میں بدقسمتی سے یہ مسئلہ کچھ غوغا پسند مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا۔ ان کی ناعاقبت اندیشانہ ہنگامہ آرائیوں نے اس مسئلہ کو خطرناک حد

تک بگاڑ دیا۔ بعد کے دور کی غوغائی سیاست کے نتیجہ میں نہ صرف بابری مسجد زد میں آ گئی بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت اور کشیدگی پھیل گئی جس نے دعوت کے ماحول کو انتہائی حد تک بگاڑ دیا۔ میری کوشش ہر مرحلہ میں یہ رہی ہے کہ بابری مسجد بھی بچی رہے، مسلمان بھی محفوظ رہیں اور دعوت کا ماحول بھی بگڑنے نہ پائے۔ اس پورے پس منظر میں دیکھئے تو آپ کو اس معاملہ میں کوئی اشکال باقی نہ رہے گا۔ آپ کا یہ ارشاد بڑا عجیب ہے کہ میرا رونا مسلمانوں کے لئے نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ الرسالہ کا ہر شمارہ اس غلط فہمی کی تردید کے لئے کافی ہے۔ دیگر مسلم مسائل میں عمومی طور پر اور بابری مسجد کے مسئلہ میں خصوصی طور پر اللہ کی توفیق سے میرا وہ مثبت رول رہا ہے جس کا ذکر سورۃ المائدہ آیت ۶۴ میں کیا گیا ہے۔ بابری مسجد کے مسئلہ کو خود ساختہ مسلم رہنماؤں نے جس ناعاقبت اندیشانہ طریقہ پر اٹھایا اس کے نتیجہ میں ملک میں زبردست فساد پھوٹ پڑا۔ اس وقت میں اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر فسادات کی آگ بجھانے کے لئے اس میں کود پڑا۔ اس معاملہ میں اللہ کی توفیق سے میں نے جو کام کیا اس کا کچھ تذکرہ الرسالہ کے شماروں میں آتا رہا ہے۔ یہاں میں صرف ایک حوالہ نقل کروں گا۔ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کے بعد جب ملک میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تو میں نے کچھ ممتاز ہندو شخصیتوں کو ساتھ لے کر ایک شانتی یاترا نکالی اور ۳۵ مقامات پر گیا۔ تقریباً تین ہفتہ کی یہ شانتی یاترا ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں تفصیل سے کور کی گئی۔ اللہ کے فضل سے اس شانتی یاترا کا غیر معمولی اثر ہوا اور اس کے بعد فسادات کی آگ بجھ گئی۔ یہ سفر کن ہنگامی حالات میں ہوا تھا اس کا اندازہ "شانتی یاترا" کے نام سے شائع ہونے والی رپورٹ (الرسالہ اکتوبر ۱۹۹۳) سے ہو سکتا ہے۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ شہروں میں کرفیو نافذ تھے اور جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس وقت میرا کیا حال تھا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک مقام پر جب میں آگ اور دھوئیں کے ماحول میں تقریر کرنے کھڑا ہوا تو میں بے اختیار رو رہا تھا۔ میں نے اپنی تقریر ان الفاظ سے شروع کی۔ ہم یہاں اس لئے آئے ہیں کہ جس آگ کو فائر بریگیڈ کا پانی نہ بجھا سکا اس کو ہم اپنے آنسوؤں سے بجھادیں۔ (اسفار ہند صفحہ ۹۶)

سوال

دو سوالات کے جوابات آپ سے مطلوب ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا روم ڈارون سے پہلے اصول ارتقاء پیش کر چکے ہیں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ درج ذیل شعر میں نے کہیں پڑھا تھا، شعر یوں ہے:

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغِ مصطفوی　　جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بو لہبی

اس کا خالق کون ہے، اگر بتا سکیں تو مہربانی ہوگی۔ (احساس آفاقی، ونوبا بھاوے نگر، کرلا۔400070)

جواب

یہ صحیح ہے کہ مولانا جلال الدین رومی (وفات ۱۲۷۳) کے یہاں حیاتیاتی ارتقاء کا ابتدائی تصور پایا جاتا ہے۔ مثلاً ان کا یہ شعر: از نباتی در حیاتی او فتاد۔ اسی طرح ابن مسکویہ (وفات ۱۰۳۰) نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مگر یہ ان حضرات کی ذاتی ایجاد نہیں۔ اصل یہ ہے کہ پانچ ہزار سال پہلے یونان کے بعض فلسفیوں نے حیاتیاتی ارتقاء کا تصور اپنی ابتدائی صورت میں پیش کیا تھا۔ جب یونانی کتابوں کے عربی ترجمے ہوئے تو یہ نظریہ مسلمانوں تک پہنچا اسی یونانی تصور کو مولانا روم اور ابن مسکویہ وغیرہ نے دہرایا ہے۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد یورپی علماء نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا۔ اس سلسلہ میں ایک درجن سے زیادہ یورپی علماء کے نام لئے جاتے ہیں۔ مثلاً لامارک (وفات ۱۸۲۹) وغیرہ۔ چارلس ڈارون (وفات ۱۸۸۲) کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے حیاتیاتی ارتقاء کے قدیم نظریہ کو پہلی بار مرتب علمی انداز میں پیش کیا۔ اس موضوع پر اس کی کتاب انواع حیات (The Origin of Species) ۱۸۵۹ میں شائع ہوئی۔ تاہم حیاتیاتی ارتقاء یا عضویاتی ارتقاء کا نظریہ قدیم اور جدید دونوں صورتوں میں غیر ثابت شدہ ہے۔ یہ آج بھی صرف ایک قیاسی نظریہ ہے نہ کہ کوئی ثابت شدہ واقعہ۔ مثلاً مختلف ملتی جلتی انواع حیات کو ایک ترتیب میں کھڑا کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک سے دوسرا نکلا، دوسرے سے تیسرا نکلا،

تیسرے سے چوتھا نکلا، وغیرہ۔ مگر یہ صرف ایک دعویٰ ہے۔ ان مماثل مظاہر حیات کی دوسری زیادہ قریب تر توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو مستقل اور منفرد نوع حیات مانا جائے۔

آپ نے جو شعر نقل فرمایا ہے اس کے شاعر کا نام تو مجھے معلوم نہیں۔ البتہ وہ مجھ کو پسند آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے اس مشہور شعر کے مقابلہ میں وہ بہت زیادہ درست اور بامعنی ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　　چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اقبال کا مذکورہ شعر میرے نزدیک صرف ایک شاعرانہ تخیل ہے، قرآن و حدیث سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے مقابلہ میں آپ کا نقل کردہ مذکورہ شعر موجودہ صورت حال کی نہایت صحیح ترجمانی ہے۔ موجودہ زمانے میں مختلف مقامات پر نظام مصطفےٰ اور نظام اسلام کے نام پر جو نام نہاد متشددانہ جہاد جاری ہے وہ بلاشبہہ اس شعر کا مصداق ہے۔ یہ اسلام کے نام پر ایک ایسا غیر اسلامی فعل ہے جس کی کوئی دوسری مثال چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس موضوع پر الرسالہ میں بار بار لکھا جا چکا ہے۔ یہاں مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔

سوال

عام طور پر مسلمانوں کے اخبارات اور رسائل یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہندستان میں مسلمانوں پر ظلم کیا جاتا ہے اسی لئے وہ اقتصادی ترقی نہیں کر پاتے۔ اگر یہ شکایت صحیح ہے تو مسلمانوں کی اقتصادی ترقی کی صورت کیا ہے۔ (ایک قاری الرسالہ، دہلی)

جواب

یہ شکایت درست نہیں۔ اس دنیا میں ہر آدمی اور ہر گروہ اپنے کیے کو بھگتتا ہے۔ ایک کا مقدر کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں۔ واقعات بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ مسلمان اس ملک میں مسلسل اقتصادی ترقی کر رہے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آج ہندستان کا سب سے زیادہ دولت مند آدمی بنگلور کا ایک مسلمان ہے جس کا نام مسٹر عظیم ہاشم ہے۔ ملاحظہ ہو (ٹائمس آف انڈیا، ۲۷ جون ۱۹۹۹)

دوردرشن (نئی دہلی) کی ٹیم نے ۱۳ اگست ۱۹۹۹ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ مسٹر کمار بھولیش انٹرویور تھے۔ یہ انٹرویو اس موضوع پر تھا کہ ہندستانی مسلمانوں کا سیاسی رخ کیا ہے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ سیاسی رخ یا سیاسی موقف کا تعلق اصلاً سیاسی لیڈر شپ سے ہے۔ موجودہ مسلمانوں کے مخصوص مزاج کی بنا پر ابھی تک ان کے اندر کوئی صحیح سیاسی لیڈر شپ نہیں ابھری۔ اسی مزاج کا یہ نتیجہ بھی ہے کہ موجودہ مسلمانوں میں نہ اتحاد رائے ہے اور نہ ان کی کوئی ملی صحافت۔ ان چیزوں کی حیثیت سیاسی بیس کی ہے اور جب تک بیس نہ ہو کوئی اگلا کام نہیں کیا جا سکتا۔ سیاسی مواقع کو استعمال کرنے کے لئے اس کے موافق سیاسی بنیاد ضروری ہے۔ یہ انٹرویو "صبح سویرے" کے پروگرام کے لئے تھا۔

ہندو کالج (نئی دہلی) کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے ۲۷ اگست ۱۹۹۹ کو اس کے ایک فنکشن میں شرکت کی اور طلبہ کے سامنے ایک تقریر کی۔ تقریر میں انھوں نے بتایا کہ کامیاب زندگی کے اصول کیا ہیں۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا پروگرام تھا۔ بہت سے سوال کئے گئے۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ لونگ رول ماڈل ضروری نہیں ہے۔ اصل مسئلہ لونگ رول ماڈل کا نہیں ہے بلکہ لونگ اسپرٹ کا ہے۔ اگر اسپرٹ زندہ ہو تو آدمی کتابوں سے اور آس پاس کے واقعات سے ہر قسم کے مفید سبق حاصل کرتے ہوئے اپنی زندگی کی تعمیر کر سکتا ہے۔

انڈین اکسپریس کے نمائندہ مسٹر اشیش شرما نے ۱۸ اگست ۱۹۹۹ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر "مذہب اور میڈیا" سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ مذہبی طبقہ کی یہ بات درست نہیں کہ میڈیا ان کی تصویر بگاڑتا ہے۔ میڈیا کا مقصد نہ تصویر بگاڑنا ہے اور نہ تصویر بنانا۔ اس کی تمام تر دلچسپی سنسنی خیز چیزوں سے ہے کیوں کہ ایسی باتوں کو لوگ دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں۔ ایسی حالت میں اہل مذہب

کو چاہئے کہ وہ خود اپنے آپ کو سنسنی خیز سر گرمیوں سے بچائیں تاکہ میڈیا کو یہ موقع ہی نہ ملے کہ وہ ان کو نمایاں کرے اور پھر اس کے نتیجہ میں مذہب کی تصویر بگڑے۔

۴۔ ۱۵ اگست ۱۹۹۹ کو بنگلہ دیش کے ایک جرنلسٹ مسٹر شہریار کبیر نے صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو ویڈیو ٹیپ پر ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ان مسلم تحریکوں سے تھا جو اسلام کے نام پر متشددانہ جہاد کر رہی ہیں۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ ان تحریکوں کا اسلامی احیاء سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ کچھ خود ساختہ مسلم لیڈروں کی سیاسی شورش ہے جس کو وہ غلط طور پر اسلام کے نام پر جاری کئے ہوئے ہیں۔ ان متشددانہ تحریکوں کا کوئی بھی مثبت نتیجہ نکلنے والا نہیں۔ یہ تحریکیں صرف مسلمانوں کی تباہی میں اضافہ کرنے والی ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اسلام پسند کہتے ہیں مگر اصل حقیقت کے اعتبار سے وہ صرف فساد پسند ہیں۔ وہ اسلام کے نام پر زمین میں بگاڑ پیدا کرنے کے مجرم ہیں۔

۵۔ بہت سے غیر مسلم الرسالہ پڑھتے ہیں اور اپنے انداز میں اس کی تعلیمات کی اشاعت کر رہے ہیں۔ مثلاً مکھیڑ (مہاراشٹر) کے مسٹر پرکاش دی پوار نے دیوالی کے موقع پر گریٹنگ کارڈ بڑی تعداد میں چھپوا کر لوگوں کے پاس بھیجا۔ اس کارڈ میں سورۃ اخلاص کا ترجمہ ہندی اور مراٹھی میں شامل کیا گیا تھا۔

۶۔ مختلف مقامات سے جو خبریں مل رہی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندستانی مسلمانوں نے واضح طور پر یوٹرن (U turn) لیا ہے۔ وہ جذباتیت سے لوٹ کر تیزی سے حقیقت پسندی کی طرف آرہے ہیں۔ اب اکابر سے لے کر اصاغر تک سب وہی بولی بول رہے ہیں جس کی طرف الرسالہ پچھلے ۲۵ سال سے لوگوں کو متوجہ کر رہا تھا۔ یہ براہ راست طور پر الرسالہ مشن کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ **فالحمد لله علی ذلك۔**

۷۔ الرسالہ فورم بمبئی کی مختلف دعوتی سرگرمیوں میں سے تازہ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے کئی کتابوں کا مرہٹی زبان میں ترجمہ شائع کیا ہے۔ مثلاً مذہب اور جدید چیلنج، پیغمبر انقلاب،

تعمیر ہند، وغیرہ۔ الرسالہ فورم بمبئی کا کنٹیکٹ نمبر یہ ہے: 4625201

۸۔ آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی نے ۸ جولائی ۱۹۹۹ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس کا موضوع اسلام اور امن تھا۔ گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام امن کا مذہب ہے۔ اسلام میں دفاع کے سوا کوئی اور جنگ جائز نہیں۔

۹۔ مسوری میں لال بہادر شاستری ایڈ منسٹریٹیو اکیڈمی کے تحت ۲۵ جولائی ۱۹۹۹ کو ایک انٹر فیتھ ڈائیلاگ ہوا۔ اس میں وہ لوگ شریک تھے جو آئی اے ایس کرنے کے بعد پروفیشنل ٹریننگ کے لئے یہاں آتے ہیں۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور اسلامی تعلیمات پر تقریر کی اور لوگوں کے سوالات کے جواب دئے۔ مزید تفصیل سفرنامہ کے تحت آئے گی۔

۱۰۔ ۳۱ اگست ۱۹۹۹ کو زی ٹی وی (نئی دہلی) کی ٹیم نے صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ ہندستان کی مسلم خواتین کے بارے میں تھا۔ سوالات کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندستان کی مسلم خواتین سیاسی شعور کے اعتبار سے کس درجہ پر ہیں۔ کیا حال میں ان کے اندر کوئی نئی سیاسی بیداری آئی ہے۔ اور الیکشن ستمبر ۱۹۹۹ میں کیا وہ کوئی اہم رول ادا کریں گی۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ اسلام میں عورتوں کے لئے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کی اجازت ہے۔ اس لئے ہر دور میں مسلم خواتین اپنا یہ رول ادا کرتی رہی ہیں۔ موجودہ صدی کے آغاز میں مولانا محمد علی وغیرہ نے جب خلافت تحریک اٹھائی تو اس وقت سارے ہندستان میں یہ نغمہ گونج رہا تھا: بولیں اما محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو۔ تاہم مجھے امید نہیں کہ اگلے الکشن میں مسلم خواتین کوئی بڑا رول ادا کریں گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پورا ملک، اقلیت اور اکثریت دونوں، سیاسی شعور میں ابھی بہت پیچھے ہے۔ ابھی ہمارے یہاں حقیقی جمہوریت نہیں آئی۔ ایسی حالت میں یہاں نہ مسلم خواتین سے کوئی بڑا رول متوقع ہے اور نہ غیر مسلم خواتین سے۔

مطبوعات مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی

مراٹھی آموز	ڈکٹر عصمت جاوید	۲۵رپے
ایک ہی پیالہ (ڈرامہ)	رام گنیش گڑکری مراٹھی سے ترجمہ خلیل مظفر	۲۰روپے
ناگپور میں اردو	ڈاکٹر شرف الدین ساحل	۵۰روپے
علم الامراض	ڈاکٹر کرنل محمد غفران	۹۰روپے
چاند تارے	اسحاق خضر	۱۵روپے
کمپیوٹر اور اس کی بیسک زبان	عبدالباری مومن	۲۰روپے
تھور سنگیت کار	بی آر دیودھرم مراٹھی سے ترجمہ دستگیر شہاب	۲۵روپے
امکان مراٹھی عصری ادب کا انتخاب (اردو)		۴۰روپے
امکان مراٹھی عصری ادب کا انتخاب (اردو)		۲۵روپے
امکان یک بابی ڈرامہ (خصوصی شمارہ)		۱۰روپے
امکان سراج اورنگ آبادی (خصوصی شمارہ)		۲۰روپے

ملنے کے پتے: (۱) مہاراشٹر اردو اکادمی، فون: ۲٦۷۲۷۰۳
اولڈ کسٹم ہاؤس، ڈی ڈی بلڈنگ، شہید سنگھ مارگ، ممبئی ۴۰۰۰۲۳
(۲) مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، پرنس بلڈنگ، جے جے اسپتال، ممبئی ۴۰۰۰۰۸

Revised Subscription Rates of

Al-Risāla

(w.e.f. January 2000)

	Urdu	**English**
Single Copy	Rs. 10	Rs. 12
One year	Rs. 110	Rs. 70
Two years	Rs. 200	Rs. 135
Three years	Rs. 290	Rs. 200
Five years	Rs. 450	Rs. 300

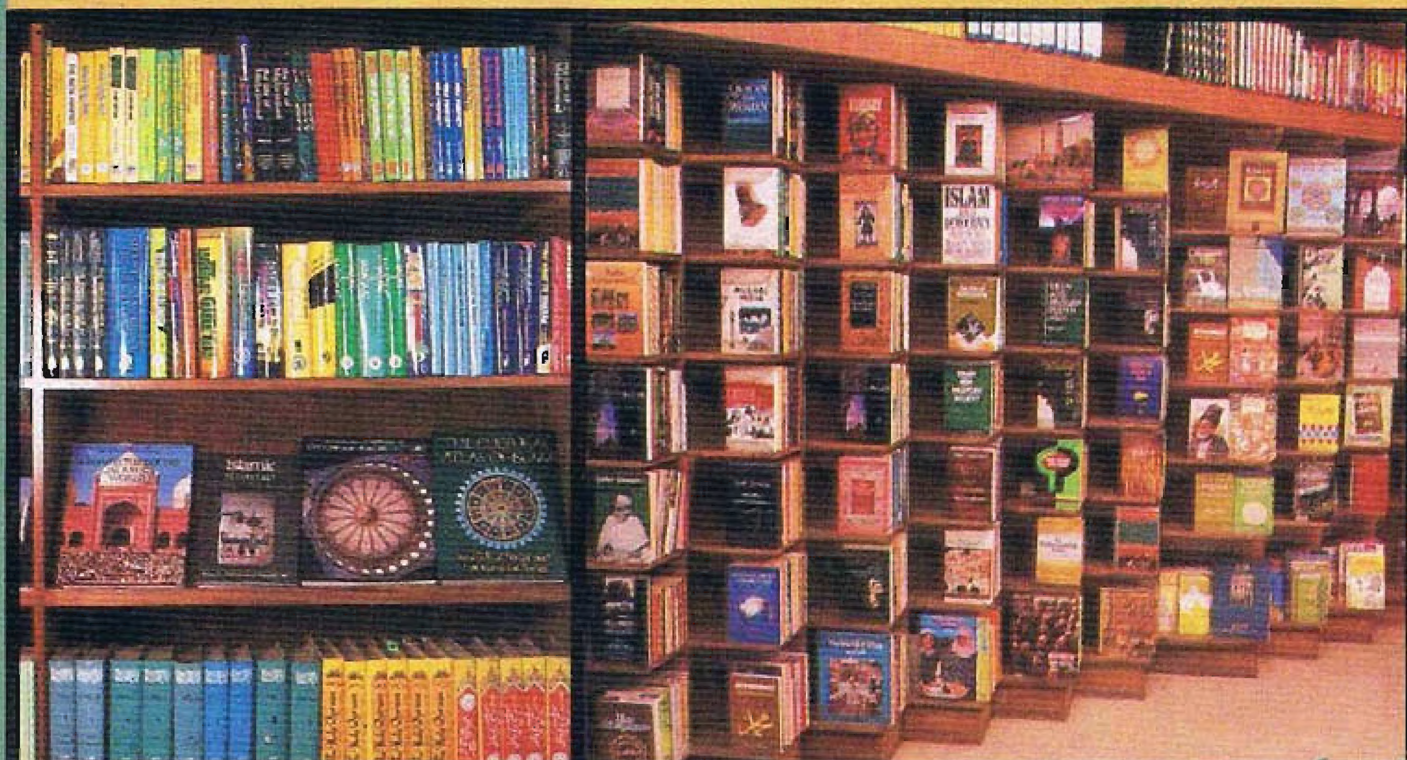
ISLAMIC BOOKS

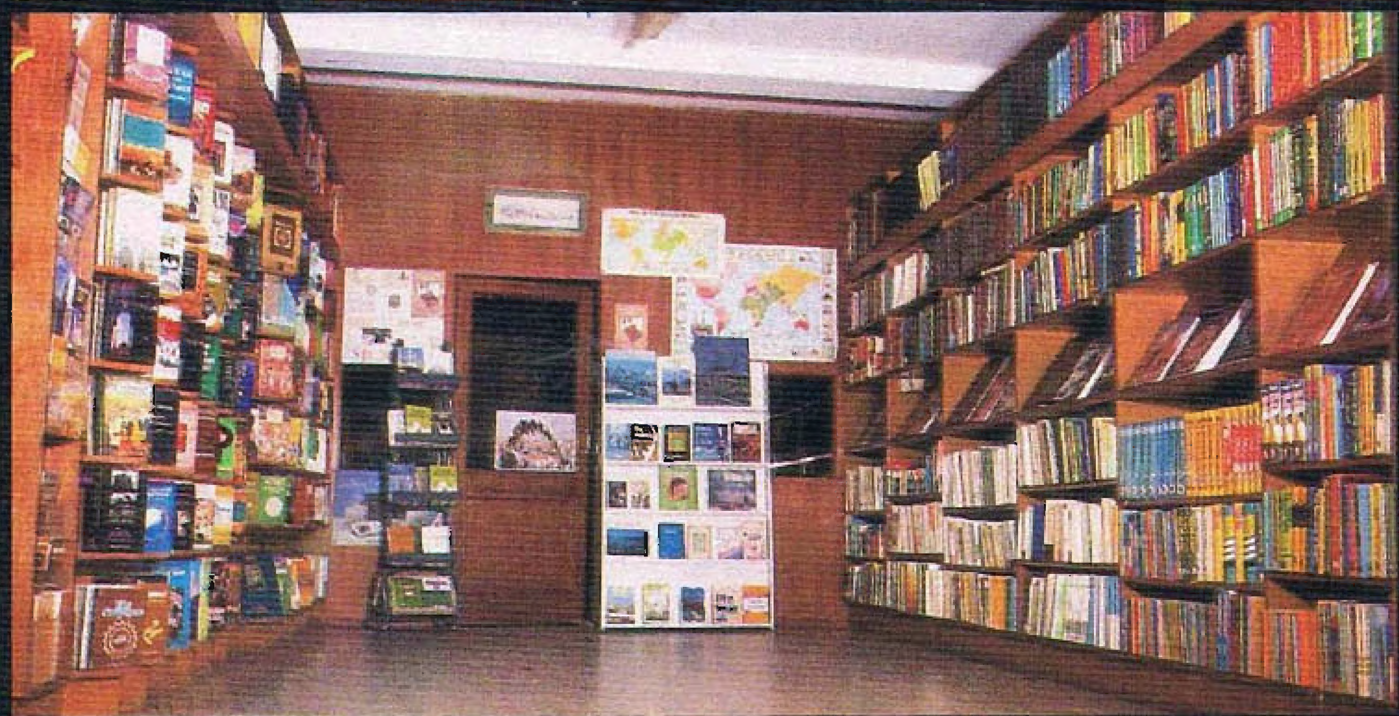
Books by Maulana Wahiduddin Khan

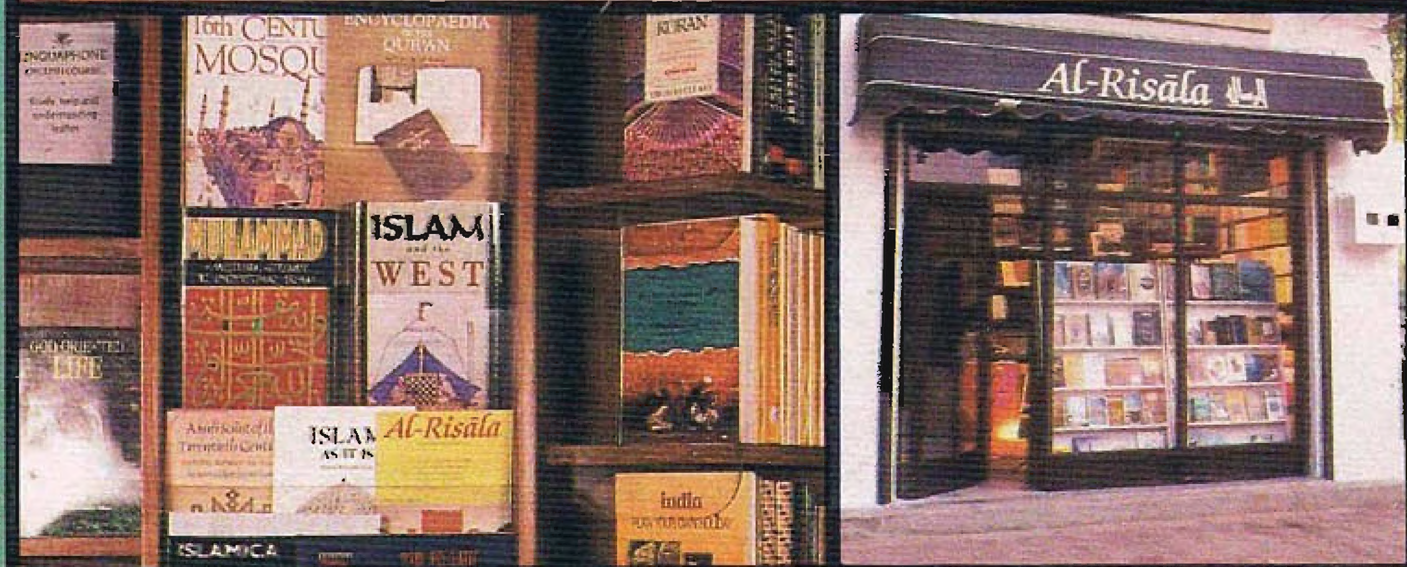
Title	Price
Islam and Peace	Rs. 150.00
Principles of Islam	145.00
The Quran for All Humanity	75.00
Indian Muslims	65.00
God Arises	125.00
Islam: The Voice of Human Nature	40.00
Islam: Creator of the Modern Age	55.00
Woman Between Islam and Western Society	145.00
Woman in Islamic Shari'ah	80.00
Islam As It Is	70.00
An Islamic Treasury of Virtues	195.00
Religion and Science	45.00
Man Know Thyself	8.00
Muhammad: The Ideal Character	8.00
Tabligh Movement	40.00
Polygamy and Islam	7.00
Hijab in Islam	20.00
Concerning Divorce	7.00
The Way to Find God	25.00
The Teachings of Islam	50.00
The Good Life	45.00
The Garden of Paradise	45.00
The Fire of Hell	45.00
Islam and the Modern Man	25.00
Uniform Civil Code	10.00
Muhammad: A Prophet for All Humanity	195.00
A Treasury of the Qur'an	75.00
Words of the Prophet Muhammad	75.00
Qur'an: An Abiding Wonder	145.00
The Call of the Qur'an	95.00
The Moral Vision	145.00
Introducing Islam	195.00

Title	Price
The Qur'an Tr. T.B. Irving	Rs. 295.00
The Koran Tr. M.H. Shakir	195.00
Heart of the Koran by Lex Hixon	195.00
The Moral Values of the Quran by Harun Yahya	125.00
The Basic Concepts in the Quran by Harun Yahya	
The Essential Arabic by Rafi'el-Imad Faynan	200
Presenting the Qur'an by Saniyasnain Khan	125
The Wonderful Universe of Allah by Saniyasnain Khan	85.00
The Soul of the Qur'an by Saniyasnain Khan	145.00
Tell Me About Hajj by Saniyasnain Khan	295.00
The Muslim Prayer Encyclopaedia Ruqaiyyah Waris Maqsood	325.00
After Death, Life! Ruqaiyyah Waris Maqsood	195.00
Living Islam Ruqaiyyah Waris Maqsood	295.00
A Basic Dictionary of Islam Ruqaiyyah Waris Maqsood	295.00
The Muslim Marriage Guide Ruqaiyyah Waris Maqsood	250.00
The Beautiful Commands of Allah Ruqaiyyah Waris Maqsood	125.00
The Beautiful Promises of Allah Ruqaiyyah Waris Maqsood	175.00
Muhammad: A Mercy to all the Nations by Q. A. Jairazbhoy	250
A-Z Steps to Leadership by Abdul Ghani Ahmed Barrie	95.00
The Sayings of Muhammad by Sir Abdullah Suhrwardy	75.00
The Life of the Prophet Muhammad by Mohd. Marmaduke Pickthall	75.00

Finest collection of books on Islam







AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013

Tel. 4611128 Fax 4697333